وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

تذکرہ و تبصرہ

مخلصانہ تنقیدوں اور خیر خواہانہ مشوروں کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد کی گذارشات

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ کے ماڈل ٹاؤن — لاہور

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۶ / ۲۳۹۳۱

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۳ | دسمبر ۱۹۸۴ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۵ھ | شمارہ ۱۲

عرض احوال ———— ۲

جمیل الرحمٰن

تذکرہ و تبصرہ ———— ۳

مخلصانہ تنقیدوں اور خیر خواہانہ مشوروں کے ضمن میں گزارشات

ڈاکٹر اسرار احمد

الہدیٰ (۲۰ ویں نشست) ———— ۳۳

ڈاکٹر اسرار احمد

علماء کرام کے لئے توجہ طلب مسئلہ ———— ۴۳

مولانا محمد طاسین

قتل خطا میں نصف دیت کا مسئلہ ———— ۵۷

ڈاکٹر اسرار احمد

مارشل لاء کی حقیقت اور اسکی افادیت یا مضرت (ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب) ———— ۶۵

مولانا سید حامد میاں مدظلہ

شام الہدیٰ ———— ۷۷

نعیم الطاف

افکار و آراء ———— ۸۷

رفتار کار ———— ۹۱

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون

۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ

۳ روپے

ناشر

ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی

فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل

نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ

۲۱۴۷۰۹

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر و احسان ہے کہ ماہنامہ "میثاق" تینتیسویں ۳۳ جلد کا آخری شمارہ بابت ربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۴ء پیشِ خدمت ہے۔ اس پورے سال میں الحمدللہ نہ کسی شمارے کا ناغہ ہُوا اور نہ ہی اشاعت و ترسیل میں اتنی تاخیر ہوئی کہ ہر انگریزی ماہ کے پہلے ہفتہ میں ملک کے اندر تمام سالانہ معاونین کو اور اس کی مستقل ایجنسیوں کو نہ پہنچ گیا ہو۔ پرچہ کی ضخامت بھی مستقل طور پر ۹۶ صفحات رہی بلکہ جنوری ۱۹۸۴ء کا شمارہ تو ۱۰۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس میں فیصلہ کن عامل مشیئتِ الٰہی ہے اور اسی کا فضل و کرم خادمانِ میثاق کے شاملِ حال رہا۔ جس کے باعث وہ اپنے قارئین کے سامنے سرخرو رہے۔

اس شمارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد دامت فیوضہم کا وہ خطاب شامل کرنے کا پختہ ارادہ تھا جو موصوف نے ۳۱ اگست کو خطابِ جمعہ میں "کیا پاکستان میں ایرانی طرز کا انقلاب ممکن ہے!" کے موضوع پر ارشاد فرمایا تھا۔ یہ خطاب ستمبر ہی میں کیسٹ سے منتقل کر لیا گیا تھا لیکن بعض اہم اور فوری نیز افادیت کے حامل مضامین کے باعث یہ خطاب اس شمارے میں شامل نہیں ہو سکا۔ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں اسے شامل کرنے کی پوری کوشش ہوگی۔ اس کے بعد اگر اللہ کو منظور ہُوا تو فروری ۱۹۸۵ء کے شمارے میں امیر محترم کا خطاب "کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟" کے موضوع پر شائع ہوگا۔

نومبر ۸۴ء کے شمارے میں "الہدیٰ" کی قسط کی عدم اشاعت پر اکثر حضرات نے شکوہ کیا ہے۔ ان شاء اللہ ہماری آئندہ کوشش ہوگی کہ اس کی قسط بہر صورت شاملِ اشاعت کی جائے۔

ڈاکٹر صاحب محترم کی طبیعت ۲۷ ستمبر تک کافی سنبھل گئی تھی اور موصوف نے

بقیہ صفحہ ۱۰۲ پر

تذکرہ وتبصرہ

ابسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ اپنے اور بھائی جمیل صاحب کے بارے میں ___ اور

میثاق ستمبر ۸۴ء میں شائع شدہ تقریر پر

مخلصانہ تنقیدوں اور خیرخواہانہ مشوروں

کے ضمن میں گذارشات

قارئینِ 'میثاق' کی خدمت میں راقم الحروف ایک طویل مدت کے بعد خود اپنی کسی تحریر کے ذریعے حاضر ہو رہا ہے ___ اس دوران میں اگرچہ اس کا تو اطمینان رہا کہ راقم کے خیالات قارئینِ 'میثاق' تک مسلسل پہنچ رہے ہیں، تاہم یہ احساس بھی رہا کہ 'میثاق' کے ضمن میں راقم اپنی ذمہ داریاں کما حقہٗ ادا نہیں کر رہا ___ اس کا سبب بھی ظاہر ہے ___ یعنی یہ کہ بجز "آں را کہ آں دھندا ایں نہ دھندا" کے مصداق اللہ تعالیٰ نے راقم کے "عُقْدَۃً مِّن لِّسَانِ" کو تو اپنے فضل و کرم سے پوری طرح کھول دیا ہے ___ لیکن قلم پر اتنی ہی مضبوط گرہ لگا دی ہے ___ نتیجۃً 'لکھنے' پر طبیعت بہت مشکل ہی سے آمادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب تک میں ہفتہ عشرہ لاہور میں مقیم نہ رہوں اور اپنے گھر اور دفتر کے 'مانوس' ماحول میں پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ میں 'گم' ہونے کا موقع نہ پاؤں کوئی مضمون تو درکنار خط لکھنے تک پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی ___ اور ادھر کئی سال سے میرے دعوتی اسفار اور 'تبلیغی' دوروں کی جو صورت بن چکی ہے اُس میں اس کا امکان شاذ و نادر ہی پیدا ہو سکتا ہے! اور اب جو یہ صورت کسی قدر پیدا ہوئی تو اس لئے کہ دو تین

ماہ قبل کمر میں جو تکلیف ہوئی تھی (جو ذرا وقفے کے بعد دوبارہ عود کر آتی ہے!) اس کے باعث سفروں اور دوروں کے معاملے میں مجبوراً کمی کرنی پڑی ہے — اور اس طرح لاہور میں مسلسل قیام کا ہر ماہ کم از کم ایک ہفتہ مل رہا ہے۔

میں نے 'میثاق' کی ادارت جولائی ۱۹۶۶ء میں سنبھالی تھی۔ اُس کے بعد سے لگ بھگ چار سال تک میری دعوتی اور تدریسی سرگرمی صرف لاہور تک محدود رہی۔ چنانچہ اس عرصے کے دوران 'میثاق' پابندی سے شائع بھی ہوتا رہا اور اُس میں میری تحریریں بھی تسلسل کیساتھ شائع ہوتی رہیں — لیکن ۱۹۷۰ء میں جب میں نے اپنے پیش نظر دینی کام کے لئے ہمہ تن اور ہمہ وقت وقف ہو جانے کے ارادے سے میڈیکل پریکٹس کو بھی خیرباد کہہ دیا — اور اس طرح گویا وہ رسّی بھی ٹوٹ گئی جس نے مجھے لاہور کے کھونٹے سے کسی قدر باندھا ہوا تھا — تو میری اندرون لاہور سرگرمی بھی دفعتہً پورے عروج کو پہنچ گئی اور ساتھ ہی بیرون لاہور اسفار کا سلسلہ بھی ایک دم بڑھ گیا، اور اُس کا یہ نتیجہ تو بحمداللہ برآمد ہوا کہ اوّلاً ۱۹۷۲ء میں 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کا قیام عمل میں آگیا اور پھر ۱۹۷۵ء میں 'تنظیم اسلامی' بھی وجود میں آگئی — لیکن دوسری طرف 'میثاق' کی اشاعت بھی بہت بے قاعدہ ہو گئی اور میرے قلم پر تو ایسی گرہ لگ گئی کہ اُس کے بعد سے آج تک میرے قلم سے باضابطہ 'مضمون' تو شاید ہی کوئی نکلا ہو (سوائے ایک دو چیزوں کے جو بحالتِ اعتکاف ضبطِ تحریر میں آئیں!) خطوط بھی صرف چند ایک ہی لکھنے میں آئے ہوں گے — اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 'میثاق' پر سخت زبوں حالی اور مسکنت کا دَور آگیا۔ حتّٰی کہ ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ وہ محض 'خانہ پُری' کے لئے کبھی دو ماہی، کبھی سہ ماہی اور کبھی اس سے بھی زیادہ وقفہ کے بعد 'منصّۂ شہود' پر آتا رہا۔ اگر یہ صورتِ حال جاری رہتی تو عجب نہ تھا کہ میں اِسے بند ہی کرنے کا فیصلہ کر لیتا۔ اس لئے کہ میں اپنی جگہ پر مطمئن تھا کہ جو کام ہم کرنے اٹھے ہیں اُس میں طریق نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے زیادہ سے زیادہ قُرب و مشابہت ہی کامیابی کی واحد کلید ہے اور یہ معلوم ہے کہ آنحضورؐ نے اپنے 'بیان' کا ذریعہ 'قلم' کو نہیں بلکہ صرف زبان مبارک ہی کو بنایا تھا —

اور اس دَور میں بحمداللہ 'بیانِ لسانی' کے دُور دُور تک منتقل ہونے کا ذریعہ بصورت 'کیسٹ' وجود میں آ ہی چکا ہے ——— لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے فرمانِ مبارک عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" کے مطابق اپنے دین کی اس خدمت کے ضمن میں بھی 'تحریری اشاعت' کے سلسلے کو برقرار رکھنے کے لئے خالصتہً اپنے فضل و کرم سے دو رفقائے کار ایسے عطا فرمائے جنہوں نے 'میثاق' کی اس بگڑتی ہوئی صورتِ حال کو سنبھال لیا:

ایک میرے بزرگ رفیقِ کار ——— اور 'میثاق' کے مُرتّب شیخ جمیل الرحمٰن، جنہوں نے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کے اوّل یومِ تاسیس سے شمولیت کے فوراً ہی بعد میری تقاریر کو ٹیپ سے اتارنے کا حد درجہ صبر آزما اور مشقّت طلب کام نہایت ذوق و شوق سے شروع کر دیا تھا ———

——— اور اب تک لگ بھگ دس سال گذر جانے کے باوجود نہ صرف یہ کہ ان کی طبیعت میں اس حد درجہ "بورنگ" کام سے کوئی اکتاہٹ پیدا نہیں ہوئی بلکہ میرا تو اندازہ یہ ہے کہ اس پورے عرصے کے دوران ان کا محبوب ترین مشغلہ یہی رہا ہے اور آج تک بھی اُن کا دل دُنیا کے کسی بھی دوسرے کام میں اس سے زیادہ نہیں لگتا ——— ان کی طبیعت کی اسی موزونی اور آمادگی کو دیکھتے ہوئے میں نے ۱۹۷۶ء ہی میں 'میثاق' کی ترتیب کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی تھی۔

——— اور واقعہ یہ ہے کہ یہ اُن ہی کا دَم ہے کہ ان دس سالوں کے دوران میرے خیالات کے 'قارئینِ میثاق' تک پہنچنے کا سلسلہ جیسے تیسے قائم رہا۔

دوسرے برادرم قاضی عبدالقادر جو میرے اسلامی جمعیتِ طلبہ کے زمانے کے ساتھی ہیں اور تنظیم اسلامی میں بھی اُس کے اوّل یومِ تاسیس ہی سے شامل ہیں۔ وہ جب ۱۹۸۰ء میں لاہور منتقل ہوئے تو انہوں نے 'میثاق' کے انتظامی امور کو سنبھالا اور نہ صرف یہ کہ اس کی طباعت اور اشاعت کو باقاعدہ کر دیا بلکہ اس کے لئے 'اشتہارات' حاصل کر کے اُس کی مالی حیثیت کو بھی مضبوط کر دیا ——— اور اب اگرچہ قاضی صاحب واپس کراچی مراجعت فرما چکے ہیں لیکن 'میثاق' کے جس 'انتظامی پودے' کی تخم ریزی اور آبیاری وہ کر گئے تھے، وہ بحمداللہ تا حال پھل دے رہا ہے!

شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کو، جنہیں میں محبت اور ادب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بھائی جمیل کہتا اور لکھتا ہوں، میں اپنا ایک بزرگ رفیق ہی نہیں محسن سمجھتا ہوں، اس لئے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس جہان فانی میں مجھ سے پندرہ سال سے بھی زائد عرصہ قبل وارد ہوئے تھے بلکہ جس تحریک کا میں اپنے آپ کو ایک ادنیٰ کارکن سمجھتا ہوں[1] اُس سے تعلق میں بھی وہ مجھ سے بہت 'سابق' ہیں ——— ان کا تعلق دہلی کی مشہور قوم پنجابی سوداگران سے ہے اور چونکہ وہ 'جمعیتِ پنجابی سوداگرانِ دہلی' میں بہت عرصہ آفس سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں لہٰذا اپنی برادری میں اُن کا حلقۂ تعارف بہت وسیع ہے ——— اُن کے والد ماجد حنفی المسلک تھے اور نہ صرف یہ کہ سبحانُ الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کے مکتب کے ساتھی اور بچپن کے دوست تھے بلکہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے اور ایک دوسرے کے یہاں بے تکلفانہ آمد و رفت تھی ——— دوسری جانب ان کا ننھیال سلفی المسلک تھا اور اُس کا نہایت گہرا تعلق تحریکِ شہیدینؒ کے باقیات الصالحات سے تھا اور اُن کے نانا حاجی محمد زکریاؒ ہی وہ شخص تھے جنہوں نے 'شیخ الکل' میاں نذیر حسین محدثؒ کو دہلی تشریف لانے اور قیام فرمانے کی دعوت دی تھی اور پھر زندگی بھر اُن سے تعاون کا تعلق قائم رکھا تھا چنانچہ انہوں نے بالکلیہ اپنے خرچ سے 'مدرسہ میاں صاحب' قائم کیا تھا ——— اور تاحیات اُس کے کل اخراجات اپنے ہی ذمہ رکھے تھے۔ ان کے صاحبزادے یعنی بھائی جمیل صاحب کے ماموں حاجی محمد امین چاولہ سلسل کئی برس تک آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے سیکرٹری رہے تھے ——— اس طرح انہیں بچپن ہی سے نہ صرف یہ کہ نہایت جیّد علماءِ حقانی کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا بلکہ اُن کے مزاج میں شروع ہی سے

---

[1] واضح رہے کہ اس سے میری مراد وہ تحریک ہے جو اس صدی میں اوّلاً مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے شروع کی تھی ——— اور بعد ازاں اس کا تسلسل مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے قائم رکھا ——— اور اب اُسی کے اِحیاء کی کوشش یہ عاجز کر رہا ہے۔

'حنفیت' اور 'سلفیت' کا "قِرانُ السعدین" بھی ہوگیا[1]۔ جس پر، بھی فرمائی ہے کہ؛ رنگ 'جامعہ ملیہ دہلی' کی تعلیم اور مولانا عبدالحیّ فاروقیؒ اور ڈاکٹر ذا[illegible] اساتذہ کی صحبت سے چڑھا۔"

تحریکِ جماعتِ اسلامی سے اُن کا تعارف اس وقت ہوچکا تھا جبکہ راقم نے ابھی شعور کے میدان میں پہلا قدم بھی نہیں رکھا تھا چنانچہ وہ قبل آزادیِ ہند و قیامِ پاکستان ۱۹۴۵ء ہی میں جماعت اسلامی کے ساتھ رُکنیت کا تعلق استوار کرچکے تھے۔ کراچی کی مقامی جماعت جب اپنے عہدِ شباب میں تھی اور اس میں چودھری غلام محمد، شیخ سلطان احمد، حکیم اقبال حسین اور مولانا افتخار احمد بلخی جیسی اہم شخصیتیں جو (سوائے شیخ سلطان احمد مدظلہ کے سب کی سب مرحومین کی فہرست میں شامل ہوچکی ہیں) مختلف اعتبارات سے نمایاں تھیں اس وقت بھائی جمیل الرحمٰن صاحب بھی نہ صرف مقامی شوریٰ کے رُکن تھے بلکہ ایک اہم حلقہ (برنس روڈ و آرام باغ) کے ناظم بھی تھے۔

جماعتِ اسلامی سے بھائی جمیل صاحب کی علیحدگی ۱۹۵۸ء میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ وہ بھی جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کی اکثریت کی طرح اِدھر اُدھر سرگرداں رہے۔ لیکن الحمدللہ کہ راقم کے ساتھ ان کا جو تعلق ۱۹۷۱ء میں قائم ہوا تھا وہ نہ صرف یہ کہ آج تک قائم ہے بلکہ بفضلہ تعالیٰ روز افزوں ہے۔ اور اس طویل عرصے کے دوران وہ ہر مرحلے پر میرے فعّال ترین معاونین میں بھی شامل رہے اور اہم ترین مشیروں میں بھی۔ اور اس عرصہ میں واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی کتابِ عزیز

---

[1] موجودہ ماحول کے اعتبار سے اِس واقعہ کا ذکر بھی ان شاء اللہ بہت مفید ہوگا کہ جب بھائی جمیل صاحب کے والد صاحب کا رشتہ ان کے نانا کے یہاں تجویز ہوا تو انہوں نے میاں نذیر حسینؒ سے مشورہ طلب کرلیا اور یہ فرمایا کہ ویسے تو لڑکا نیک، اور متقی اور ہر اعتبار سے اطمینان بخش ہے لیکن ہے حنفی! ــــ تو میاں صاحب نے اس اندازِ گفتگو پر بھی بہت برہمی کا اظہار فرمایا' ــــ اور تردید کرکے کہا کہ جب لڑکا نیک اور دیندار ہے تو حنفی یا اہلِ حدیث سے کیا فرق واقع ہوتا ہے!

اور اسکے دینِ متین کی جو بھی حقیر سی خدمت مجھ سے بن آئی ہے اُس کے ضمن میں میں سب سے بڑھ کر زیرِ بار احسان ان ہی کا ہوں - اس لئے کہ کم از کم گذشتہ دس سالوں کے دوران تو انہوں نے اپنی کبرسنی (وہ جنوری ۸۵ء میں ۶۸ برس کے ہو جائیں گے) اور ناسازیٔ طبع کے باوجود جس جسمانی محنت و مشقت اور انتھک اور والہانہ جذبہ کے ساتھ کام کیا ہے اسکی نظیر مجھ ایسے مریض اور ادھیڑ عمر تو کیا آج کل کے کڑیل جوان بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں! یہی نہیں — اس پر مستزاد یہ کہ بایں بزرگی و کبرسنی بھائی جمیل صاحب میرا بحیثیت 'امیرِ تنظیم اسلامی' جسقدر ادب کرتے ہیں اور جس خاکساری اور احترام کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں وہ تو بہت سے مواقع پر میرے لئے حد درجہ شرمندگی کا موجب ہو جاتا ہے!

اس سب کے باوصف ——— یہ اندازہ تو جملہ قارئین 'میثاق' کو ہو ہی گیا ہوگا کہ وہ بھی ——— بالکل میری ہی طرح ——— اُمّی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) کے اُمّتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ میری طرح اُنکی تحریروں میں بھی بعض فاش غلطیاں رہ جاتی ہیں ——— اِدھر میرے 'اَن پڑھ' ہونے کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے میری جو تقریریں ٹیپ سے اتار کر "معمولی حک و اضافہ کے ساتھ" شائع کیں اُن میں سے شاذ ہی کوئی تقریر میں نے پڑھی اور وہ بھی اسکے کتابی شکل میں طبع ہو جانیکے بعد سوائے اُسکے جو "قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکوں کے بارے میں علماء کرام کے خدشات" کے عنوان سے 'میثاق' کی اشاعت بابت ستمبر ۸۲ء میں شائع ہوئی - اور وہ بھی اس لئے کہ اُس پر بعض بزرگوں اور دوستوں اور بعض مؤقر دینی رسائل و جرائد نے از خود بھی تبصرہ فرمایا اور بعض سے خود بھائی جمیل صاحب نے رائے طلب کی جس کے نتیجے میں 'مخلصانہ تنقیدوں اور خیر خواہانہ مشوروں' کا اچھا بھلا ذخیرہ جمع ہو گیا جس پر اس صحبت میں کچھ نیاز مندانہ معروضات پیش کرنی مطلوب ہیں! (واضح رہے کہ یہ تقریر بھی راقم نے میثاق میں طبع ہو جانے کے بعد پڑھی)

اس سلسلے میں اوّلاً 'میثاق' کے حوالے سے اپنی اور بھائی جمیل صاحب کی یہ طویل داستان اس لئے نوکِ قلم پر آگئی کہ ایک حد درجہ قابلِ احترام بزرگ ڈاکٹر غلام محمد صاحب مدظلہٗ نے ایک دوسری گرفت کے ساتھ جس کے بارے

میں مَیں بعد میں عرض کرونگا -) لطیف ترین الفاظ میں یہ 'تنبیہ' بھی فرمائی ہے کہ:

"اس قسم کے اہم اور نازک موضوعات اگر آنجناب کے قلم سے تحریر ہو جایا کریں تو لفظی احتیاط اور پیرایۂ بیان کی خوبی اور افزوں ہوسکے گی!"

اس ضمن میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں صرف یہ گذارش ہے کہ "صاحبُ البیتِ ادریٰ بِمَا فیہ" کے مطابق اگر میں اپنے ما فی الضمیر کو خود ضبطِ تحریر میں لاؤں تو یقیناً وہ میرے خیالات کی 'صحیح تر' تعبیر ہوگی اور لفظی احتیاط کا معاملہ بھی کسی درجے میں ہو جائے گا - لیکن واقعہ یہ ہے کہ 'پیرایۂ اظہار' کی کسی "خوبی" یا اس میں کسی "افزونی" کا اس صورت میں بھی کوئی امکان نہیں ——— اس لئے کہ مَیں خود بھی بھائی جمیل صاحب کی طرح امّی نبیؐ کا اُمّی اُمّتی ہوں اور اس کے اعتراف و اعلان میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا ——— بلکہ الحمدللہ کہ بہت عافیت پاتا ہوں -

---

اب اس سے قبل کہ میں مختلف مکاتیب و جرائد میں ظاہر شدہ آراء سے متعلق اپنی گذارشات کا آغاز کروں، ان تمام بزرگوں اور دوستوں کا تہہ دل سے بالکل یکساں طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے خطوط یا مضامین میں تحسین و تائید فرمائی یا تنقید و تبصرہ فرمایا اور مشوروں سے نوازا ——— میں اللہ کو گواہ بنا کر عرض کرتا ہوں کہ مجھے تاحال کسی بھی تنقید سے قطعاً کوئی ملال نہیں ہوا۔ میرے سامنے بحمداللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک کہ "الدین النصیحۃ" ہر وقت رہتا ہے اور میں خود بھی حتی الامکان اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور دوسروں کی تنقیدوں کو بھی بالکلیہ اسی پر محمول کرتا ہوں - اِلّا یہ کہ کسی کا بُغض بالکل عریاں ہو کر سامنے آجائے ——— اور الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ میری زیرِ بحث تقریر پر جو تبصرے یا تنقیدیں ہوئی ہیں اُن سے مجموعی طور پر میری اس اُمید میں اضافہ ہوا ہے ——— اور میری اس توقع کو تقویت حاصل ہوئی ہے کہ ——— ان شاء اللہ العزیز میں اپنے بزرگوں کے خدشات رفع کرنے میں کامیاب ہو جاؤنگا اور اقامتِ دین

کی جس سعی کا بیڑا میں نے اٹھایا ہے اس میں ان شاء اللہ مجھے علماء حق کی سرپرستی ضرور حاصل ہوگی ـــــ اور ان کی دعائیں یقیناً میرے شاملِ حال ہونگی ـــــ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيز !! -

---

'میثاق' نومبر ۸۴ء میں جو خطوط اس سلسلے میں شائع ہوتے ہیں ان میں اوّلین حضرت مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب ہی کا ہے جو مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خلیفہ مجاز ہیں اور جنکا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ انہوں نے میرے درج ذیل جملوں پر گرفت فرمائی ہے :

"میں نے جہاں تک اپنے مزاج اور اپنی طبیعت کو گہرائی میں جاکر ٹٹولا ہے (یعنی PROBE کیا ہے) تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ مجھ میں انانیت اور عجب نہیں ہے اور میں شعوری طور پر اپنے رب سے پناہ طلب کرتا رہتا ہوں کہ وہ مجھے اس روگ سے محفوظ رکھے (اس لئے کہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عُجب مہلکات میں سب سے زیادہ مہلک اور شدید مرض ہے ۔"

حضرت ڈاکٹر صاحب کی گرفت سر آنکھوں پر ـــ اور ان شاء اللہ اُن کی تلقین سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا ۔ لیکن اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ سے جہاں وہ الفاظ منقول ہیں جو انہوں نے نقل فرمائے وہاں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سوال کے جواب میں کہ "كَيْفَ اَصْبَحْتَ؟" ایک صحابیؓ نے عرض کیا "اَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ !" ـــــ اسی طرح شیخ سعدیؒ کے قطعے میں بھی معاملہ تقابل کا ہے ' ـــــ اور الحمدللہ ثمّ الحمدللہ میرا حال یہی ہے کہ میں فی الجملہ کسی بھی انسان کے مقابلے میں اپنے آپ کو بہتر نہیں پاتا ـــــ اور اپنے ساتھیوں میں سے بھی ہر ایک کو کسی نہ کسی پہلو سے اپنے سے بہتر محسوس کرتا ہوں ـــ پھر میرے جملوں میں صرف حال کی کیفیت پر اطمینان کا اظہار ہے

اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ! ــــ مستقبل کے لئے تو ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے ــــ اور الحمد للہ کہ میں نے بھی اُسی کا سہارا لیا ہے!!

آنمخدومؒ کا یہ جملہ میرے لئے بہت حوصلہ افزائی کا موجب ہوا کہ:

"ان شاء اللہ یہ توضیح عذرشات، اس نوعیت کے شبہات کے ازالہ میں مؤثر ثابت ہوگی" ــــ اَللّٰھُمَّ آمین!

دوسرا خط حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ کا ہے ــــ جو مدرسہ رحیمیہ، بستی شاہ ولی اللہ، دہلی، میں شیخ الحدیث ہیں ــــ انہوں نے میری تقریر کے مشمولات کی جس طرح کھُلے دل کے ساتھ تصویب فرمائی ہے اُس پر تو میں تہہ دل سے اُن کا ممنون ہوں ہی ـــــــ تحریک جماعتِ اسلامی، اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کا ذکر انہوں نے جس معتدل اور متوازن انداز میں کیا ہے اُس سے بھی دِل نے بہت اثر قبول کیا کہ علمارِ حق کی شان یہی ہونی چاہیئے ـــــــ میرے علم کی حد تک دیوبندی مکتبِ فکر کے وہ واحد معروف عالمِ دین ہیں جو مولانا مودودی کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں ـــــــ بہرحال ان کے "اشارات" میں اقامتِ دین کی داعی جماعت کے لئے مختلف پہلوؤں سے جو رہنمائی مضمر ہے، مجھے اُس سے فی الجملہ اتفاق بھی ہے ـــــــ اور اپنی امکانی حد تک میں اسی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش بھی کر رہا ہوں۔ ــــ بایں ہمہ یہ "یاد دہانی" بھی ان شاء اللہ مزید مفید ثابت ہوگی۔

مولانا سیّد وصی مظہر ندوی مدظلہ، مہتمم جامعہ اسلامیہ و سابق میئر حیدر آباد (سندھ)، تنظیم اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں بھی شامل ہیں اور انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام سالانہ قرآن کانفرنسوں ــــ اور تنظیم اسلامی کی تربیت گاہوں میں حصّہ لینے کی خاطر بارہا لاہور تشریف بھی لائے ہیں ــــــ میں ان کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میری گذارشات کو "فکر انگیز" قرار دیا ــــ بسا اوقات ایک لفظ بھی

چھوٹی بات سے زیادہ بامعنی ہو جاتا ہے ــــــــــ ساتھ ہی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مولانا امین احسن اصلاحی کی حد رجم کے بارے میں رائے پر میری "گرفت" کو بھی بالکل "درست" قرار دیا ـــ اور اس طرح مولانا موصوف کے موقف سے اعلان برات کر دیا۔

رہا اُن کا یہ فرمانا کہ "تاہم ایک یا چند غلطیوں کی وجہ سے کسی شخص کے پورے کارنامے کو مسترد کر دینا وہ انتہا پسندی ہے جس کے باعث ہمارے ہاں تحقیق اور فکر و نظر کی آزادی مفقود ہو کر رہ گئی ہے ۔" تو گزارش ہے کہ الحمد للہ میں اس سے بری ہوں ــــــــــ میں نے اُن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ "کم از کم اس مسئلے میں وہ 'منکرین سنت' کی صف میں جا کھڑے ہوئے ہیں!" ــــ اور اللہ سے دعا کی ہے کہ وہ انہیں اس گمراہی سے رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔ میں ہمیشہ اس کا اعتراف کرتا رہا ہوں کہ میں نے اُن کے فکرِ قرآنی سے بہت استفادہ کیا ہے اور اپنی ایک طویل تحریر میں میں اپنے فہم قرآن کے چار منبعوں کی تفصیل درج کر چکا ہوں جن میں سے ایک "فکرِ فراہی بروایت و وضاحتِ اصلاحی" ہے ــــــــــ ادھر چند سالوں سے میں نے اس کا ذکر جان بوجھ کر ترک کر دیا ہے (جس پر 'مدیر طلوع اسلام' نے بجا طور پر گرفت بھی کی ہے کہ میں نے مولانا اصلاحی اور ان کے فکر کے ضمن میں اپنی خدمت کا ذکر تو کیا لیکن اُن سے استفادے کا ذکر تک نہیں کیا!) تو اس کا ایک سبب ہے اور وہ یہ کہ ۱۹۷۸ء میں مولانا کا ایک خط بہت بڑی تعداد میں لاہور ہی نہیں پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی تقسیم کیا گیا تھا جس میں مولانا نے میرے بارے میں کچھ اُس قسم کے الفاظ تحریر فرمائے تھے کہ "یہ شخص میری شاگردی کا ڈھنڈورا پیٹتا پھرتا ہے ــــــــــ جبکہ یہ کبھی میرا شاگرد نہیں رہا!" ــــــــــ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی تفسیر سے میں اب بھی استفادہ کرتا ہوں اور مولانا کی دو کتابیں: ایک 'دعوتِ دین اور اس کا طریق کار'، اور دوسری 'مبادیٔ تدبر قرآن'، تا حال بھی میری محبوب ترین کتابوں میں سے ہیں ۔

البتّہ یہ واضح رہنا چاہیئے کہ بعض اوقات "ایک غلطی" بھی "عمر یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دُور شد!" کے مصداق بہت بڑی گمراہی کا دروازہ کھول دیتی ہے —— اور قرآن مجید میں تو بعض بظاہر نہایت معمولی سی بے احتیاطیوں (جیسے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آواز کو بلند کر دینا) پر بھی "حبطِ اعمال" کی وعید سنائی گئی ہے۔ لہٰذا اگر خدانخواستہ مولانا نے اپنے اس موقف سے رجوع نہ کیا تو واقعی اندیشہ ہے کہ ان کے شاگرد پنجابی کی ایک کہاوت: "گورو جنہاں دے ٹپدے، چیلے جان شڑپ!" کے کامل مصداق نہ بن جائیں — جیسے کہ اُن کا ایک "نیم شاگرد" — "کڑوا کریلا اور پھر نیم چڑھا!" کی کامل مثال بن کر سامنے آ بھی چکا ہے!

مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور و خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح بھی نہ صرف یہ کہ تنظیم اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں شامل ہیں بلکہ مَیں ذاتی طور پر اُن کا بہت ہی ممنونِ احسان ہوں۔ ان کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی اُن کی ملاقات کے لئے حاضری ہوئی، انہوں نے بڑی محبّت و شفقت کے ساتھ وافر وقت مرحمت فرمایا —— اور دوسرا یہ کہ جب بھی اُن سے "قرآن کانفرنس" یا کسی اور موقع کے لیے کسی مقالے یا تحریر کی درخواست کی، انہوں نے ہمیشہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر فرمائش کی تکمیل فرمائی (اُن کا ایک اہم اور نہایت وقیع مقالہ حدِ رجم کے ضمن میں اوّلین روایات پر مشتمل ان شاء اللہ آئندہ ماہ کے "حکمتِ قرآن" میں شائع ہوگا۔) —— پھر اُن کا ایک تیسرا اور بہت بڑا احسان راقم پر یہ ہے کہ تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کے لئے جب راقم نے "بیعتِ جہاد" کو اساس بنایا تو اُنہوں نے غلط اطلاع کی بنیاد پر جاری کردہ مخالفانہ بیان سے علی الاعلان رجوع فرمایا اور حقیقتِ حال کے واضح ہو جانے کے بعد اخباری اعلان کے ذریعے بھی —— اور نجی خطوط کے ذریعے بھی اُس کی تائید و تصویب فرمائی۔ اس موقع پر بھی انہوں نے نہایت مفصّل تبصرہ فرما کر جو احسان فرمایا ہے اُس

کا میرے اور میرے رفقاء کے دلوں پر بڑا اثر ہوا ہے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ آنجناب نے حلقۂ مستشارین میں شمولیت کا حق ادا فرما دیا ہے ۔

اُن کی تحریر کا ایک حصّہ تو تائیدی ہے جس پر شکریہ ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً اُن کے یہ جملے تو راقم کے لئے بہت ہی موجبِ اطمینان ہیں کہ :

"ڈاکٹر صاحب نے بہت عمدہ اور مفصّل طرح سمجھا دیا ہے کہ آج کل فتنے کس طرح پیدا ہو رہے ہیں ۔ اُن سے بچنا سب سے زیادہ ضروری ہے ، کیونکہ ایمان سب سے بڑی دولت ہے اور اسکی حفاظت سب سے بڑا اور اوّلین فرض ہے !"

البتہ ـــــــ نہایت ادب کے ساتھ دو اُمور کے بارے میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے :

ایک[۱] حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری ؒ کے قول کی تاویل کے بارے میں، اور دوسرے[۲] ـ 'تقلید' یا غیر تقلید یا 'نیم تقلید' کے بارے میں ۔

فقہِ حنفی کے ماننے اور پیروی کرنے والوں کے لئے مختلف فیہ مسائل میں اپنے مسلک کے حق میں دلائل کا جاننا ـــــ اور اپنے مدارس میں اُنکو شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنا یقیناً ایک لازمی و لابدی امر ہے ـــــ اور کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ یہ کام اصلاً غلط یا فضول ہے، اسی طرح حضرتِ کاشمیری ؒ کے شدّتِ احساس کو کسی درجے میں اس حقیقت پر محمول کرنا بھی غلطِ محض نہیں ہے کہ واقعتہً نیک و پارسا اور حقیقتاً مخلص و متقی لوگ اپنے بڑے بڑے کاموں کو بھی ہیچ سمجھتے ہیں (جیسے کہ خود آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے کہ "رَبِّ اَرِنِیْ فِی عینی صغیرًا") لیکن حضرتِ کاشمیری کے قول کو بالکلیہ اس تواضع و انکسار پر محمول کرنا درست معلوم نہیں ہوتا ـ اس ضمن میں اصل کوتاہی بھائی جمیل الرحمٰن صاحب سے ہوئی ہے کہ انہوں نے مولانا موصوف کے قول کے آخری اور اہم ترین حصّے کو نقل نہیں فرمایا جس سے آنجناب کے غم واندوہ اور تأسّف کا اصل سبب معلوم ہوتا ہے ـــــــ وَهُوَ هٰذا !

"تو جس چیز کو دُنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی یہ ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے ولغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیئے تھا وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں!

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی"

معلوم ہوا کہ یہاں اصل معاملہ 'تقابل' کا ہے کہ کون سے کام اہم تر تھے جن کی جانب ہم اپنی اس مخصوص علمی مصروفیت و مشغولیت کے باعث توجہ نہ کر سکے! ——— اور مقابلہ بھی صحیح اور غلط کا نہیں بلکہ ایک جانب صحیح اور اہم لیکن نسبتاً ثانوی اور دوسری جانب بدرجہا اہم تر اور حد درجہ ضروری اور اوّلین اہمیّت کے حامل کاموں کے مابین ہے!!

چنانچہ بعینہٖ یہی بات تھی جس کی جانب علماء کرام کی توجّہ راقم الحروف نے اپنے اُس جوابی خط کے آخر میں مبذول کرائی تھی جو راقم نے مولانا اللہ بخش ملکانوی کے خطوط اور معاصر الخیر، ملتان میں شائع شدہ مضمون کے جواب میں لکھا تھا اور جو 'میثاق' کی ستمبر ۸۴ء ہی کی اشاعت میں شامل تھا۔ کہ خدارا! حالات کا کھلی آنکھوں کے ساتھ مشاہدہ کیجیے اور صورتِ حال کی نزاکت

کا کما حقہٗ ادراک فرمائیے ۔ غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ احساسات تو آج سے لگ بھگ نصف صدی قبل کے ہوں گے ۔ اُس کے بعد تو وقت کے دریا میں اور بھی بہت سا پانی گذر چکا ہے ـــــ اور حالات پہلے سے کہیں بڑھ کر دگرگوں ہو گئے ہیں ۔ چنانچہ مغربی تہذیب کا جو سیلاب اِس وقت معاشرے میں نہایت تیزی اور تندی سے بڑھ رہا ہے اُس کا تو عشرِ عشیر بھی اس وقت نہ تھا اور اُس کی فحاشیت اور اباحیت پرستی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ یعنی حدیث اور سُنّتِ رسولؐ اور اتباعِ صحابہؓ و سلف صالحین کے خلاف بغاوت یعنی فتنۂ انکارِ حدیث و سُنّت جدید تعلیم یافتہ طبقے کی اکثریت میں سرایت کر چکا ہے ۔ ایک جانب الحاد اور مادّہ پرستی پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ ترقی کر چکی ہے ۔ تو دوسری جانب بدعات اور خرافات نے باضابطہ فلسفوں اور اداروں کی صورت اختیار کر لی ہے ۔ منکرات و فواحش کے وہ وہ دروازے بلکہ شاہ دَرے کھُل چکے ہیں جن کا اُس وقت کوئی تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا تھا ـــــ اس لئے کہ اُس وقت تک سینما یا تھیٹر جانے والے صرف نچلے طبقے کے لوگ یا آوارہ نوجوان ہوتے تھے اور عام گھروں کے اندر صرف گانوں کی آواز بذریعہ ریڈیو پہنچی تھی جبکہ آج ٹی وی اور وی سی آر نے ہر گھر کو سینما بنا دیا ہے ـــــ ملکی سطح پر ایک جانب داخلی صورتِ حال دگرگوں ہے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک میں نسلی، لسانی اور صوبائی عصبیتیں پروان چڑھ رہی ہیں بلکہ بعض علاقوں میں تو نہایت خوفناک صورت اختیار کر چکی ہیں ـــــ دوسری جانب گرد و پیش کے حالات اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہیں ۔ چنانچہ شمال مغربی سمت سے الحاد و مادّہ پرستی کی بدترین صورت یعنی کمیونزم جس نے اس صدی کے اوائل میں اس خطّے کو ہضم کیا تھا جس میں ایک زمانے میں قال اللہ اور قال الرسولؐ کی صدائیں شاید دنیا بھر کے مقابلے میں کہیں زیادہ بلند ہوتی تھیں ـــــ اور اب اُسی صدی کے اواخر میں ہماری آنکھوں کے سامنے پونے دو کروڑ افراد پر مشتمل پوری افغان قوم کو ایک مہیب اژدھے کے مانند آہستہ آہستہ نگل رہا ہے ـــــ حتیٰ کہ اب وہ سیلاب وطنِ عزیز کے عین دروازوں پر دستک

دے رہا ہے۔ اِدھر جنوب مشرق میں ہندو امپیریلزم کا عفریت ایک نئے جوش اور جذبے کے ساتھ چنگھاڑتا ہوا اُٹھ رہا ہے ——— ان حالات میں واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ سابق یہاں صرف اسلام کا نام سیاسی اور گروہی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا اور ایک حقیقی اور واقعی اسلامی دعوت و تحریک خالصتہً منہاج نبوت پر نہ اٹھی اور اس کے ذریعے مستقبل قریب میں بلکہ آئندہ چند سالوں کے اندر اندر ایک ہمہ گیر اسلامی انقلاب پاکستان میں نہ آیا اور حقیقی اور واقعی اسلام کی برکات سے عوام الناس کو متمتع ہونے کا موقع نہ ملا تو پاکستان کا نام تو نسیاً منسیاً ہو گا ہی ——— دینی درسگاہیں اور روحانی خانقاہیں بھی محفوظ نہیں رہیں گی۔ اور معاملہ بالکل وہی ہو گا کہ ع "تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں!" ——— اعاذنا اللہ من ذالک۔

ان حالات میں ہمیں اپنی "ترجیحات" پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ ——— کاش کہ پاکستان کے تمام علمائے دین بالعموم اور حلقہ دیوبند کے متوسلین بالخصوص اُس درد بھری صدا پر کان دھر سکیں جو حضرت شاہ صاحب کے محولہ بالا جملوں سے اُبھر کر سامنے آتی ہے ——— اور اگر وہ خود اپنے علمی و تدریسی مشاغل سے فرصت نہ پائیں کہ خود دعوت و تنظیم کے کھکھیڑ میں پڑ سکیں یا درسگاہوں اور خانقاہوں کا پاک و صاف ماحول انہیں اجازت نہ دے کہ وہ گندگی اور تعفن بھرے معاشرے کی صفائی کے لئے کمربستہ ہوں تو کم از کم ان لوگوں کی سرپرستی تو فرمائیں جو اس کام کے لئے کمر ہمت کس لیں اور ان کی کوتاہیوں سے چشم پوشی اور دوسرے اور تیسرے درجے کے اختلافی امور سے صرفِ نظر کرتے ہوئے خود اُن کی اصلاح پر کمربستہ ہوں۔

چنانچہ یہ ہے وہ پس منظر جس میں "تقلید" یا عدم تقلید، یا اس عاجز کی اختیار کردہ اصطلاح "نیم تقلید" کے مسئلے پر غور ہونا چاہیئے۔ اس ضمن میں نہایت تفصیلی گفتگو معارف الخیر، ملتان کے مدیر جناب مولانا محمد ازہر صاحب اور ایک مضمون نگار مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے کی ہے۔ چنانچہ راقم بھی تفصیلی

گذارشات ان ہی کی خدمت میں پیش کرے گا۔

جہاں تک حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ کا تعلق ہے اوّلاً تو راقم اُنکا حد درجہ شکر گزار ہے کہ انہوں نے راقم کے نظریۂ 'نیم تقلید' کی بکراہت ہی سہی، کسی نہ کسی درجے میں تصویب فرمادی ہے، بدیں الفاظ:

"ہاں البتہ اگر کوئی غیر مقلّد ہو اور وہ ان ائمہ کو مقتدا مان کر بلا خواہش نفس مسئلہ کو راجح سمجھتے ہوئے ایسا کرنے لگے تو شاید اُس کے لئے مطلقاً غیر مقلّد بنے رہنے سے بہتر ہوگا۔ کیونکہ آجکل کے علماء سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنے سے یہ بہت زیادہ افضل ہے کہ ائمہ کی تحقیق پر چلے ۔ رحمہم اللہ۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کا ہاتھ حالاتِ حاضرہ کی نبض پر ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ صرف 'عالمِ دین' اور 'شیخ طریقت' ہی نہیں ہیں بلکہ ملکی سیاست کے میدان میں بھی فعّال و سرگرم ہیں: فقہی مسلک کے معاملے میں مولانا کے مزاج کے اس 'توسّع' کا ایک اندازہ اُس وقت بھی ہوا تھا، جب تنظیم اسلامی میں شمولیت کی 'بیعت جہاد' کے ضمن میں اُن سے مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے خلف الرشید مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے جو آجکل لندن میں مقیم ہیں وضاحت طلب فرمائی تھی تو مولانا نے اپنے جوابی گرامی نامے میں کچھ اس قسم کے الفاظ لکھے کہ "ہمیں یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ جماعتِ اسلامی میں جو شخص بھی شامل ہوا وہ تقلید کے ضمن میں تو کچھ نہ کچھ ضرور ہی نرم پڑ گیا"، راقم کے معاملے میں 'نرمی' اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

ثانیاً ــــ میں مولانا کو اپنی اور اپنے رفقاء کی جانب سے یہ اطمینان دلاتا ہوں کہ ہم دین میں اپنے لئے آسانیوں کی تلاش کے قائل نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور توفیق کے بھروسے پر فی الجملہ 'رخصت' کی بجائے 'عزیمت' کی راہ پر چلنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ فقہی مسائل میں بھی اگر کوئی 'توسّع' ہوا تو وہ ان شاء اللہ العزیز 'ہر مسلک میں سے چُن چُن کر آسان مسائل لے لینے' کی بنا پر نہیں ہوگا۔ بلکہ اس معاملے میں حتی الامکان اسی طرزِ عمل کو اختیار

کرنے کی کوشش کی جائے گی جسے مولانا نے اپنی تحریر میں دو مقامات پر "مستحب" سے تعبیر فرمایا ہے!

البتہ موقع کی مناسبت سے ایک بات نہایت ادب کے ساتھ مولانا ممدوح اور انکی وساطت سے جملہ علمائے دین بالخصوص متوسلین حلقۂ دیوبند سے عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں: اور وہ یہ کہ دین کے علم و عمل کے اس عالمگیر زوال، — اور فتنہ و فساد اور حرص و ہوا کے ہمہ گیر غلبے کے پیش نظر کیا حکمتِ دعوت و اصلاح اور خود مصلحتِ دینی اس کی متقاضی نہیں ہے کہ رجالِ دین خود کمالِ حزم و احتیاط کے ساتھ اُسی طرزِ عمل پر کاربند رہتے ہوئے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، عوام کے لئے "یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" کی قرآنی رہنمائی اور "یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا" کے فرمانِ نبویؐ کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں پیدا کریں اور اس کے لئے ائمۂ اربعہ کے دائرے کے اندر اندر زیادہ سے زیادہ توسّع پیدا کریں جو گذشتہ سال مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ محاضراتِ قرآنی میں حصّہ لینے کے لئے بھارت سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کے رفیقِ کار اور معتمدِ خصوصی مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب لاہور تشریف لائے تھے۔ تو اس موقع پر انہوں نے بھی اس ضرورت کا شدّت کے ساتھ اظہار فرمایا تھا۔ اس لئے کہ وہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ دعوت و اصلاح کے میدان میں بہت سرگرم ہیں اور اس بنا پر انہیں حالات اور ان سے پیدا شدہ، ضروریات، کا براہِ راست احساس ہوا ہے۔

(یہاں یہ عرض کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ عوام الناس بالخصوص نیم تعلیم یافتہ، لوگوں میں یہ تأثر عام ہے کہ مولویوں کے پاس اپنے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے تو مفصّل "کتاب الحیل" موجود ہے لیکن دوسروں کو وہ ہمیشہ سخت سے سخت فتوٰی دیتے ہیں! میری ناچیز رائے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تأثر کو بالکل برعکس کر دیا جائے اور لوگوں میں یہ تأثر عام ہو جائے کہ رجالِ دین اپنے اوپر تو بہت سختی کرتے ہیں لیکن دوسروں کے لئے زیادہ سے زیادہ نرمی اور آسانی پیدا کرتے ہیں — اور اغلباً صوفیائے کرام کی کامیابی

کارازاسی میں مضمر تھا!) ۔ کاش کہ جس طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے 'جرأتِ رندانہ' سے کام لیتے ہوئے "الحیلۃُ الناجزہ فی الحلیلۃ العاجزہ" کی صورت پیدا فرمائی اور اس پر علماءِ کرام کی جانب سے عمومی تصویب بھی حاصل فرمالی اس طرح اکابرِ علماء میں سے کوئی اور باہمت اور مجددانہ مزاج کی حامل شخصیت اس معاملے میں مزید اقدام کے بارے میں غور کر سکے! یہ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک یہ کام ہے صرف علماءِ کرام اور اُن میں سے بھی علم و فہم تقویٰ و تدین اور زہد و ورع کے جملہ اعتبارات سے مسلّم مرتبے کی حامل شخصیت کا!

'میثاق' نومبر ۸۴ء میں شائع شدہ باقی چار خطوط میں سے ایک یعنی مولانا حافظ قاری محمد سعید الرحمٰن علوی (سابق مدیر ہفت روزہ 'خدام الدین' لاہور) کے خط میں تو 'جواب طلب' بات کوئی نہیں ہے، البتہ کراچی سے اصحابِ ثلاثہ (جناب خسروی صاحب، مولانا محمد عبدالبرّ صاحب اور جناب ایس ٹی علی صاحب) کے خطوط میں بعض امور وضاحت طلب ہیں جن پر ان شاءاللہ آئندہ کسی صحبت میں گفتگو ہوگی [۱]۔ سردست قارئین 'میثاق' کی اطلاع کے لئے اتنا عرض ہے کہ اپنے گذشتہ دورۂ کراچی کے موقع پر میں جناب خسروی صاحب کے درِ دولت پر حاضری دے کر بالمشافہہ گفتگو کر چکا ہوں — اور الحمدللہ کہ اپنی تحریر میں وہ جس قدر 'تیکھے' نظر آتے ہیں حقیقتہً اُتنے نہیں ہیں! آئندہ سفرِ کراچی میں ان شاءاللہ مولانا عبدالبرّ صاحب سے بھی ملاقات کا ارادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُمید واثق ہے کہ ان سے ملاقات بھی بہت مفید ثابت ہوگی۔

لگے ہاتھوں اس کا بھی تذکرہ ہو جائے تو غالباً کوئی حرج نہ ہوگا کہ راقم نے بحمداللہ اپنے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق علماءِ کرام سے ملاقاتوں کے لئے کسی نہ کسی طرح وقت نکال کر حاضری دینے کا سلسلہ عملاً شروع کر لیا ہے ۔ چنانچہ

---

[۱] اس دوران میں ایک ایک خط جناب خسروی صاحب اور مولانا عبدالبرّ صاحب کا اور وصول ہو چکا ہے لیکن دیگر مضامین کی طوالت اور صفحات کی کمی کے پیشِ نظر یہ خطوط اس اشاعت میں شامل نہیں کئے جا سکے ۔

گذشتہ دورہ کراچی کے موقع پر ایک نہایت مفصل اور حد درجہ مفید ملاقات حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی مدظلہٗ سے ہوئی اور راقم ان کا بے حد ممنون ہے کہ انہوں نے بغیر کسی تکلف کے اپنے جملہ شکوک وشبہات پیش فرمائے ـــــ اور الحمد للہ کہ راقم کی وضاحتوں پر اظہارِ اطمینان فرمایا ـــــ اسی طرح اپنے دورۂ سوات، دیر اور باجوڑ کے موقع پر راقم لگ بھگ پچاس ساٹھ میل کا اضافی فاصلہ طے کر کے تبرّکاً حضرت شیخ الہندؒ کے خادم ورفیقِ زنداں حضرت مولانا عزیز گل مدظلہٗ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ اور اُن سے خصوصاً مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور ان کی مجوزہ امامت ہند کے سلسلے میں مفید گفتگو ہوئی ـــــ مزید برآں میرے حالیہ دورۂ کوئٹہ کے دوران ایک تو وہاں کے رفقاء نے از خود علماء کرام کے ساتھ ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا تھا۔ اس پر مستزاد مولانا منیر الدین مدظلہٗ صدر مجلسِ تحفظِ ختم نبوت، بلوچستان کے ساتھ خالص تنہائی میں نہایت مفید ملاقاتیں ہوئیں۔

ماہنامہ اور ہفت روزہ جرائد میں سے راقم کے علم کی حد تک تاحال دو ہفت روزہ رسالوں یعنی معاصر "چٹان"، لاہور اور معاصر "تنظیم اہلحدیث" نے تائیدی وتصویبی شذرات لکھے ہیں جو قارئین کی دلچسپی کے لئے اس اشاعت میں شامل کئے جا رہے ہیں ـــــ ان میں سے مولانا عزیز زبیدی مدظلہٗ کا شذرہ میرے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے کہ میری معلومات کے مطابق وہ بھی جماعتِ اسلامی کے "سابقین" میں سے ہیں ـــــ البتہ دو ماہناموں یعنی "طلوعِ اسلام"، لاہور اور "الخیر" ملتان نے تنقیدی مقالات شائع کئے ہیں۔

ان میں سے جہاں تک "طلوع اسلام" کا تعلق ہے اُس کی ایک "گرفت" یقیناً درست ہے۔ جس کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے اور اُس کے ضمن میں راقم اپنی "وضاحت" بھی پیش کر چکا ہے، باقی "طلوعِ اسلام" کے اور ہمارے مابین نظریاتی اختلاف کی خلیج اتنی وسیع ہے کہ اس ضمن میں کچھ عرض کرنے کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ ضرورت بس فقط آیۂ قرآنی "لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ہ" کا حوالہ کافی ہے ـــــ البتہ "الخیر"

کی خدمت میں کچھ معروضات پیش کرنی ضروری ہیں ۔

ان میں اوّلاً تو ایک نیازمندانہ گلہ مدیرِ 'الخیر' سے ہے کہ ان کے پرچے کے جولائی ۸۴ء کے شمارے میں ایک تحریر مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی کی شائع ہوئی تھی جس کے جواب کی نقل 'الخیر' کو بھی ارسال کردی گئی تھی ۔ ہمیں توقع تھی کہ نومبر کے پرچے میں ہمارا وہ جواب ضرور شائع ہوگا لیکن ہمیں مایوسی ہوئی ۔ غالباً عام صحافت کے اصولوں میں بھی یہ امر مسلّم ہے کہ اپنے جن قارئین کے ذہنوں میں 'الخیر' نے اپنے اُس مضمون کے ذریعے کچھ سوالات پیدا کر دیئے تھے ان کے جوابات بھی اُن قارئین تک پہنچانا 'الخیر' کی ذمہ داری ہے ۔ دیا پھر دوسری ممکن صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اپنے قارئین کی فہرست 'الخیر' ہمیں فراہم کردے تاکہ ہم خود ان تک اپنا جواب پہنچا دیں!)

ثانیاً ۔ ایک 'ہدیہ تشکر' پیش کرنا ہے 'الخیر' کے مضمون نگار مولانا عبدالقیوم حقانی کی خدمت میں کہ انہوں نے 'الخیر' میں اپنی تیز و تند تنقید چھپوانے کے ساتھ راقم کے نام ایک ذاتی خط لکھنے کی تکلیف بھی گوارا کی ۔ جس میں وہ رقم طراز ہیں:

"محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب زید مجدکم ۔ سلام مسنون!

اُمید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے، ستمبر کے ماہنامہ 'میثاق' کے شمارہ میں آپ کے خطاب سے متعلق دینی اور شرعی نقطۂ نظر سے جو تبصرہ ضروری سمجھا اسے ۸، ۱۰ صفحات میں ماہنامہ 'الخیر' ملتان کے تازہ شمارہ میں شائع کرا دیا ہے ۔ انہوں نے آپ کے پاس وہ شمارہ بھیج دیا ہے ۔ کسی ذاتی عناد یا بغض سے قطع نظر، خالص احساسِ ذمہ داری اور عند اللہ مسؤلیت کے پیش نظر یہ قدم ضروری سمجھا ۔ ورنہ میں اپنے زمانۂ شعور سے تاحال آپ کے لٹریچر کو باقاعدگی سے پڑھتا رہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ ہماری معروضات پر ٹھنڈے دل اور گہری سوچ کے ساتھ غور فرمائیں تو مسئلہ واضح ہوجائے گا۔ باری تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کے راستے پر چلائے ۔ والسلام"

واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ ویسے تو راقم نے جس وادی میں قدم رکھا ہے اُس کے پیش نظر راقم ہر وقت "غیروں" کی جانب سے کسی بھی قسم کے "ناوکِ دشنام" کے

ساتھ ساتھ "اپنوں" کی جانب سے بھی ہر نوع کے "طرزِ ملامت[1]" کے لئے ذہناً اور قلباً تیار رہتا ہے اور اُس کے دل پر اگر کبھی کسی کی جانب سے ملال کا اثر ہوتا بھی ہے تو محض عارضی طور پر ـــ تاہم مولانا حقانی کے اس خط نے تو اُس کا بھی کُلیتہً سدِّباب کر دیا ـ جس کے لئے میں اُن کا ممنون ہوں!!

'الخیر' میں شائع شدہ دونوں تحریروں کے مشترک نفسِ مضمون کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے قبل ایک 'حُسنِ اتفاق' (یا سُوءِ اتفاق؟) کا ذکر قارئین کی دلچسپی کا موجب ہوگا ـــ وہ یہ کہ ایک روز فجر کی جماعت کے فوراً بعد میرے ایک رفیق کار نے مجھے بیک وقت 'طلوعِ اسلام' اور 'الخیر' کے شمارے دیئے ـ میں نے جو اُن کے مضامین کو سرسری طور پر دیکھا تو ایک عجیب 'فوری تضاد' (SIMULTANEOUS CONTRAST) نظر آیا کہ 'طلوعِ اسلام' کے مدیر کو میری پوری تقریر میں از اوّل تا آخر نری اسلاف پرستی ہی اسلاف پرستی نظر آئی ـــــــــــ

اور 'الخیر' کے دونوں مضمون نگاروں کو اسلاف سے بغاوت ہی بغاوت نظر آئی گویا معاملہ وہی ہوا کہ ؎

"زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں!"

پرچے میں ترتیب کے اعتبار سے تو اگرچہ مدیر 'الخیر' مولانا محمد ازہر صاحب کی تحریر پہلے ہے اور مولانا حقانی صاحب کی بعد میں، لیکن جیسا کہ خود مولانا محمد ازہر صاحب نے وضاحت فرما دی ہے مولانا حقانی کی تحریر 'الخیر' کی اکتوبر کی اشاعت سے بھی قبل ان کے پاس پہنچ گئی تھی ـــ مزید برآں دونوں تحریروں کے بالاستیعاب مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِن میں 'اصل' کی حیثیت مولانا حقانی ہی کی تحریر کو حاصل ہے ـــ لہٰذا ہم بھی اصلاً اُسی کے بارے میں عرض کریں گے ـ

---

[1] فیض کا شعر ہے ؎

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت!

(ب ـ ن) عجب اتفاق ہے کہ جس وقت راقم نے فیض کا یہ شعر اس مقام پر درج کیا اگلے روز کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ عین اُسی وقت اُس کا جسدِ خاکی لحد میں اُتارا جا رہا تھا ـ

مولانا حقانی کی پوری تحریر کو بار بار پڑھنے کے بعد راقم پوری دیانت کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی اساس چند 'مغالطوں' پر ہے — واضح رہے کہ ان 'مغالطوں' کی وجہ راقم کے نزدیک مولانا حقانی کا 'قصورِ فہم' ہرگز نہیں ہے بلکہ کچھ خود راقم کی اپنی کج مج بیانی — اور کچھ اس تقریر کے مرتب کی تقصیر ہے (جس کی ایک مثال کا ذکر اوپر بھی ہو چکا ہے، یعنی یہ کہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے قول کا اہم ترین حصہ نقل ہونے سے رہ گیا!) — ان دو کے علاوہ ایک سبب اور بھی ہے جس کا ذکر بعد میں آجائے گا — بنا بریں راقم کسی لفظی نزاع میں الجھنے یا لفظ بلفظ بحث میں وقت ضائع کرنے کی بجائے مناسب سمجھتا ہے کہ ان مغالطوں کو دُور کرنے کی کوشش کرے جس سے ان شاء اللہ نہایت آسانی کے ساتھ مسئلہ حل ہو جائے گا — اور اگر اس کا کوئی حصہ حل طلب باقی رہ گیا تب بھی اُس کے حل کی راہ لازماً آسان ہو جائے گی — اس ضمن میں راقم مولانا حقانی اور مولانا محمد از ہر دونوں حضرات سے بھی درخواست کرتا ہے کہ براہ کرم اس بحث میں نہ الجھیے کہ تمہاری شائع شدہ تقریر کا مطلب تو وہی نکلتا تھا جو ہم نے نکالا تھا — اس لئے بھی کہ میں خود اپنی اور بھائی جمیل الرحمٰن صاحب کی 'تقصیر' تو پہلے ہی تسلیم کر چکا ہوں — اور اس لئے بھی کہ کم از کم 'بقیدِ حیات' لوگوں کے بارے میں تو یہ حق مسلّمہ طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اپنے قول کی تاویل کا حق انہیں حاصل رہتا ہے! (چنانچہ "تاویلُ القولِ بما لا یَرْضیٰ بہ القائل" کو سب ہی غلط سمجھتے ہیں!) اور آئندہ گفتگو کی اساس کسی شخص کے قول کی اُس تاویل کو بنایا جانا چاہیئے جو وہ خود کرے —

ان مغالطوں میں اوّلین اور اہم ترین یہ ہے کہ میں تمام فقہی مسالک کو ختم کر کے "ایک فقہی مسلک پر مجتمع" کرنے اور "مستقبل کی کسی شخصیت کو اجتہادِ مطلق کی دعوت" کا علمبردار ہوں — لہٰذا میں سب سے پہلے اسی غلط فہمی کو رفع کر دینا چاہتا ہوں اس لئے کہ میرے نزدیک دونوں بزرگوں کی برہمی کا اصل سبب یہی ہے —

اصل میں یہی وہ غلط فہمی ہے جس کے بارے میں میں نے اوپر عرض کیا تھا کہ اس کا ایک خاص سبب ہے — وہ یہ کہ لاہور میں میری تقریریں 'مسلسل' ہوتی

ہیں اور بعض مسائل جن پر سابق تقریر میں مفصّل بحث ہو چکی ہوتی ہے اگلی تقریر میں اُس کا صرف ایک سرسری سا ذکر ہوتا ہے اور میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ اسکے ضمن میں میرا پورا موقف 'سامعین' کے علم میں موجود ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس کے سامنے میری وہی تقریر ہوگی اُس کا اس اجمال کے باعث 'مغالطے' میں مبتلا ہو جانا بالکل قرینِ قیاس ہے۔

یہ بات تو میری اس تقریر سے بھی سب پر واضح ہو گئی ہوگی کہ اس کے پس منظر میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی وہ رائے ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر 'تدبّر قرآن' کی جلد چہارم میں حدِّ رجم کے بارے میں ظاہر فرمائی ہے اور جو راقم کے اُن سے آخری اور قطعی 'انقطاعِ تعلّق' کا سبب بنی۔ چونکہ راقم کا ایک نہایت طویل مدّت تک (لگ بھگ ثلث صدی) مولانا موصوف کے ساتھ نہایت قریبی اور گہرا تعلّق رہا ہے اور ان کے اور راقم کے بہت سے احباب اور محبّین و متعلّقین مشترک ہیں۔ پھر یہ کہ ہم دونوں ایک ہی شہر میں مقیم ہیں اور ہمارے مابین 'مکانی' فصل و بعد بھی زیادہ نہیں ہے لہٰذا ہمارے 'بعض مستقل' 'سامعین' بھی مشترک ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ گذشتہ دنوں اس مسئلے پر بہت سے لوگوں سے بہت 'گرما گرم' گفتگوؤں کا سلسلہ چلا ——— جس میں اُن کے حامیوں کی جانب سے بار بار ایک دلیل نما سوال یہ کیا گیا کہ "کیا تمہارے خیال میں اب کسی نئے مجتہد کے پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے؟" ——— اصل میں اِس سوال کے جواب میں مَیں عرض کرتا رہا کہ "اس کے امکان کو میں قطعاً تو ردّ نہیں کرتا۔ لیکن ایسی کسی شخصیّت کے لئے لازم ہوگا کہ نہ صرف علم و فضل ——— بلکہ تقوٰی و تدیّن اور خلوص و للّٰہیت میں بھی اپنے دَور کے عوام و خواص دونوں سے اپنا لوہا منوالے[۱]"

---

[۱] حسنِ اتفاق سے اس 'امکان' کی تصویب مولانا عبدالحی لکھنوی کے اس قول سے بھی ہو گئی جو نفیر کے صفحہ ۴۴ پر درج ہے ——— یعنی "جو یہ دعوٰی کرے کہ ائمّہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا تو یہ غلط ہے ——— البتّہ اگر یہ کہے کہ ائمّہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہیں ہوا جس کے دعوئ اجتہاد کو جمہور نے مانا ہو تو یہ مسلّمہ ہے" (بحوالہ 'شریعت و طریقت')

یہی بات میری ایک تقریر میں (جو ایک مقامی ہوٹل میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام منعقد ہوئی تھی) اس طور سے آگئی کہ "میں اس امکان کو خارج از بحث تو قرار نہیں دیتا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ مستقبل میں کسی ایسی شخصیت کو اُٹھا دے جو فقہی اختلافات کو بالکل ختم کر کے اُمت کو کسی ایک ہی مسلک پر جمع کر دے ـــــ لیکن بحالاتِ موجودہ یہ ایک ان ہونی سی بات ہے اور فی الوقت ہمیں یہی چاہیئے کہ سلفِ صالحین کی پیروی کرتے ہوئے صرف اسقدر کریں کہ جملہ فقہی مسالک کے لئے اپنے سینوں اور دلوں میں وسعت پیدا کرلیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم محض فقہی مسلک کے اختلاف کی بنا پر 'مَن دیگرم تو دیگری' کا سا انداز اختیار کرلیں ـــــ اور دین کے احیاء و قامت کی جدّ و جہد میں شانہ بشانہ شریک نہ ہو سکیں !"

پھر یہی بات مسجد دار السّلام والی تقریر میں مختصراً اُس طرح آگئی جیسے 'میثاق' میں چھپی ہے - بہرحال میں واضح الفاظ میں صراحت کرتا ہوں کہ میرے اس قول سے مراد صرف اس درجے میں 'امکان' کو تسلیم کرنا ہے جس درجے میں ہم عموماً 'بفرضِ محال' کسی بات کا ذکر کرتے ہیں ـــ میں اُس سے قطعی اعلان برأت کرتا ہوں کہ میں اس کا داعی یا مبلّغ یا کسی درجے میں بھی مجوّز و محرّک ہُوں ! (اللہ کا شکر ہے کہ دونوں بزرگوں میں سے کسی نے مجھ پر خود اس کے 'مدّعی' ہونے کا الزام عاید نہیں کیا ـــ تاہم میں واضح کئے دیتا ہوں کہ اپنے بارے میں کسی ایسے گمان سے پہلے مَیں اسے پسند کروں گا کہ زندہ آگ میں جلا دیا جاؤں' واللہ علیٰ ما اقول وکیل !)

میری زیرِ بحث تقریر کا بھی اصل رُخ 'تقلید' کی جانب ہے ـــ اور میرے کم از کم لاہور کے جملہ 'سامعین' تو اس سے بخوبی آگاہ ہیں کہ گذشتہ تقریباً چھ ماہ سے میں نے سب سے زیادہ زور ان ہی نکات پر دیا ہے جو 'الخیر' کے صفحہ ۳۹ ، ۴۰ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رح کی تحریر سے نقل ہوتے ہیں ـــ اور جو نہایت خوبصورت الفاظ میں علامہ اقبال مرحوم نے بھی اپنی مشہور مثنوی 'اسرار و رموز' میں 'رموزِ بیخودی' کے ذیل میں - "در معنیٔ ایں کہ در زمانۂ انحطاط تقلید از اجتہاد اولیٰ تر است !" کے عنوان سے نظم کئے ہیں :

راہِ آبا رو کہ ایں جمعیت است ۔۔۔ معنیٔ تقلید ضبطِ ملت است

اِجتہاد اندر زمانِ انحطاط — قوم را برہم ہمی پیچد بساط
زِ اجتہادِ عالمانِ کم نظر — اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر
عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست — کارِ پاکاں از غرض آلودہ نیست
فکرِ شاں ریسد ہمے باریک تر — ورعِ شاں با مصطفےٰ نزدیک تر

اُجتہاد کے ضمن میں بھی الحمدللہ میرا ذہن بالکل صاف ہے ۔ اور مجھے اپنے موقف اور ان بزرگوں کی تصریحات کے مابین کوئی تباین، تو کیا 'بُعد' بھی نظر نہیں آیا جن کے حوالے 'الخیر' کے زیرِنظر شمارے میں درج کئے گئے ہیں ۔ تاہم میں مختصراً اپنا موقف اپنے ہی الفاظ میں بیان کئے دیتا ہوں :

اُن تمام مسائل کے ضمن میں جو ائمہ مجتہدین (یعنی ائمہ اربعہ) کے زمانے میں پیدا ہو چکے تھے اور اُن پر انہوں نے پوری طرح غور و فکر کر کے اپنے فیصلے ثبت فرما دیئے ہیں : اُن میں سے (ا) جن مسائل میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو اُن کے ضمن میں تو میں اجتہادِ مطلق، تو کیا جزد 'جنس اجتہاد' کے باقی رہنے کا بھی قائل نہیں ـــ البتہ (ب) جن میں اُن کے مابین اختلافِ رائے ہو اُن کے ضمن میں 'اجتہاد' کو اس میں دائر سمجھتا ہوں کہ اُن میں سے کسی کے موقف کو ترجیح دیتے ہوئے اختیار کر لیا جائے! لیکن اُن کے دائرے سے باہر نکلنے کو کسی طرح صحیح نہیں سمجھتا ۔

جنسِ اجتہاد، یا 'نفسِ اجتہاد' کے بقاء و تسلسل کا معاملہ میرے نزدیک اُن مسائل میں ہے جو سائنسی ترقی اور عمرانی اِرتقاء کے نتیجے میں بالکل نئی 'صورتِ معاملہ' کی حیثیت سے پیدا ہوئے ہیں ۔

دوسرا اہم مغالطہ دونوں حضرات کو یہ ہوا ہے کہ میں "پانچ کے دائرے میں نیم تقلیدی مسلک کا ایک اور دائرہ" بنانے کا داعی ہوں ۔ اگر میرے الفاظ سے ایسا متبادر ہوا ہے تو میں اس سے بھی علیٰ رؤس الاشہاد رجوع کرتا ہوں ۔ اس ضمن میں اصل معاملہ یہ ہے کہ میں صرف ایک بات کا داعی ہوں اور ایک کا مستدعی!

---

[1] عجب حسن اتفاق ہے کہ آج ۲۲ نومبر ۸۴ء کی صبح یہ تحریر سپردِ قلم کر رہا ہوں ۔ اور گذشتہ شب یعنی ۲۱ نومبر کی رات کو میں نے جناح ہال لاہور میں ایک اجتماعِ عام میں یہ اشعار بھی پڑھ کر سنائے، اور اجتہاد کے بارے میں بھی وہ رائے ظاہر کی جو آگے آ رہی ہے ۔

داعی، میں صرف اس بات کا ہوں کہ مختلف فقہی مسالک کے ماننے والے اُن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے سینوں اور دلوں میں وُسعت، پیدا کریں اور ایسا نہ ہو کہ "قولنا صوابٌ لکن محتملُ الخطاءِ وَ قولُ غیرِنا خطاءٌ محتملُ الصوابِ" صرف کہنے اور لکھنے میں آئے —— اور عملی صورت یہ ہو کہ فقہی اختلافات کی بنا پر ہمارے دلوں میں بُعد پیدا ہو جائے اور ہم مل جُل کر شانہ بشانہ منکرات و فواحش کے خلاف جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سعی، اور غلبہ ٔ اقامتِ دین کی جدوجہد میں شریک نہ ہو سکیں۔ میری تقریر میں سارا زور اصلاً اسی پر ہے، اور بادنیٰ غور و تأمل یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اسی وُسعتِ قلب، فقہی رواداری، سے حدیث نبوی "اختلاف اُمتی رحمۃ" (الخیر، ص۳۸) اور مولانا حقانی کے اپنے الفاظ "تمام ائمہ کے مسالک برحق ہیں اور اختلاف ائمہ رحمت ہے" (الخیر ص۳۹) کی عملی تعبیر سامنے آسکتی ہے —— یہاں طویل اقتباس طوالت کا موجب ہوگا لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر میری ان تصریحات کی روشنی میں میری مطبوعہ تقریر کے صفحہ، ۴ کے وسط سے صفحہ ۵۰ کے وسط تک کے حصہ کو دوبارہ پڑھا جائے اور اس میں مولانا انور شاہ کاشمیری ؒ کے اقتباس کا وہ حصہ بھی شامل کر لیں جو زیر نظر تحریر میں پہلے دیا جا چکا ہے —— توان شاء اللہ العزیز یہ مغالطہ رفع ہو جائے گا اور میرا اصل مافی الضمیر واضح ہو جائے گا۔

اہلِ سنت کے متفق علیہ چار فقہی مسالک اور ان کے بانی ائمہ کرام رحمہم اللہ پر میں امام بخاری ؒ کا اضافہ اصلاً تو اس بنا پر کرتا رہا ہوں کہ میرے نزدیک حقیقتِ ایمان، کے ضمن میں جامع اور صحیح ترین تعبیر امام ابوحنیفہ ؒ اور امام بخاری ؒ دونوں کی تعبیرات کی جمع و تطبیق ہی سے وجود میں آتی ہے — ورنہ میرا ذاتی گمان بھی یہی تھا (اگرچہ اپنی کم علمی کی بنا پر اس پر جازم نہیں تھا) کہ امام بخاری ؒ کا کوئی مسئلہ ائمہ اربعہ کے دائرے سے باہر نہیں ہوگا) —— اور الحمد للہ کہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نے اپنی محولہ بالا ملاقات میں پورے جزم کے ساتھ اور رضا اور استقصا کے انداز میں فرمایا کہ واقعتاً ایسا ہی ہے! جس سے مزید انشراح ہوا —— البتہ چونکہ مسالک اربعہ کے پیروؤں میں سے تو ہمارے

یہاں شاید احناف کے سوا شاذ ہی کسی اور مسلک کے لوگ موجود ہوں، لیکن اہلِ سنّت کا ایک اور گروہ برّصغیر پاک و ہند میں معتد بہ تعداد میں موجود ہے جو غیر مقلد، یا اہلِ حدیث یا سلفی المسلک، الغرض مختلف ناموں سے موسوم ہے ۔ اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ گذشتہ ڈیڑھ سو سالوں کے دوران ان حضرات نے مُشرکانہ اوھام، ہندوانہ رسومات اور بدعاتِ سیئہ کے خلاف نہایت مؤثر جہاد کیا ہے اور مؤثر خدمات انجام دی ہیں[1] اور اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ یہ صرف ایک 'مسلک' ہے کوئی مُعیّن 'مذہب' نہیں ہے اور اصولی طور پر اس میں کسی معیّن مجتہد کی تقلید خارج از بحث ہے ۔ تاہم اکثر و بیشتر مسائل میں یہ حضرات امام بخاریؒ کے اجتہادات ہی کا اتباع کرتے ہیں (چنانچہ کچھ حضرات انہیں طنزاً "مقلّدینِ بخاریؒ" کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں!) —— اور جیسا کہ میں نے اپنی زیرِ بحث تقریر میں عرض کیا تھا،

---

[1] اور یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تحریکِ شہیدینؒ کی سرحد میں ظاہری ناکامی کے بعد اُس کے "باقیاتُ الصّالحات" کے ذریعے دینِ حق کی جو خدمت برّصغیر پاک و ہند میں سرانجام پائی اُس میں خواہ تعداد کی کثرت اور اثرات کی وُسعت کے اعتبار سے 'حنفی المسلک' علماء و اکابر کا پلڑا بھاری نظر آئے ۔ حقیقت کے اعتبار سے 'سلفی المسلک' اشخاص، اداروں اور جماعتوں کا حصّہ بھی کسی سے کم نہیں ہے ۔ اور جہادِ حریت و استقلالِ وطن ہو یا سعی غلبہ و اقامتِ دین، دونوں میدانوں میں ان دو مسلکوں کے پیروشانہ بشانہ شریک رہے ہیں —— چنانچہ ۱۹۲۰ء کے اجلاسِ جمعیت علماءِ ہند منعقدہ دہلی میں جہاں دہلی، دیوبند، اجمیر، بدایون اور فرنگی محل کے 'حنفی' علماء شریک تھے وہاں اہلِ حدیث علماء بھی موجود تھے۔ چنانچہ مولانا محمد داؤد غزنویؒ کی شرکت تو تعیّن کے ساتھ ثابت ہے —— اور اس ضمن میں آخری بات، یہ ہے کہ اس اجلاس میں حضرت شیخ الہندؒ جیسے 'کٹر حنفی' کے ایماء پر مولانا احمد سعید دہلویؒ اور مفتی کفایت اللہؒ ایسے حنفی علماء و مفتی حضرات نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ایسے 'آزاد' شخص کا نام 'بیعتِ امامتِ ہند' کے لئے پیش فرمایا تھا۔ —— اس سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ 'جماعتِ مجاہدین' کے آخری شخص جو چند ہی سال قبل فوت ہوئے یعنی صوفی عبداللہ صاحب جنہوں نے ماموں کانجن میں عظیم الشان دینی مدرسہ قائم فرمایا مسلکاً اہلِ حدیث تھے —— !!

امام بخاریؒ وہ شخصیت ہیں جن کے مرتب کردہ مجموعۂ احادیث کو جملہ اہلِ سنت "اَصَحُّ الکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ" تسلیم کرتے ہیں۔ مزید برآں اکابر علماء احناف نے اُن کی 'فقاہت' کو خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ (مجھے خود بھی جامعہ مدنیہ لاہور میں ایک تقریب ختم بخاری میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی جس میں مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے امام بخاریؒ کی فقاہت کو نہایت شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین ادا فرمایا تھا۔) لہٰذا میں نے اپنی ذات کی حد تک 'نیم تقلید' کا جو دائرہ بنایا ہے اُس میں ائمۂ اربعہؒ کے ساتھ ساتھ امام بخاریؒ کو بھی شامل کیا ہے۔

اور یہی میری علماءِ کرام سے وہ استدعا ہے۔ جس کا میں نے اوپر ذکر کیا تھا ——— یعنی میں اپنی ذات کی حد تک اس 'اجازت' کا طلبگار ہوں کہ اپنی 'تقلید' کو ان 'ائمۂ خمسہ' کے دائرے تک وسعت دیدوں! اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کا اصل سبب میری ایک ذاتی مشکل اور الجھن ہے جس کا ہمدردانہ احساس مجھے اندیشہ ہے، کہ حضراتِ علماء نہیں کر سکیں گے۔ معاملہ یہ ہے کہ میں نے کسی دینی مدرسے میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے اگر ایسا ہوتا تو یقیناً "جس فقہی مسلک کا وہ مدرسہ ہوتا میرے دل ودماغ بھی اسی پہ جازم اور راسخ ہو جاتے اور یہ مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا ——— میری مشکل یہ ہے کہ میں تو سکولوں اور کالجوں کا پڑھا ہوا ہوں۔ اس کے باوصف یہ اللہ ہی کا فضل وکرم ہے کہ اُس تعؐ نے دین کی جانب رغبت عطا فرمائی۔ ——— اور اُس کے لئے تن من دھن حتیٰ کہ اولاد احفاد تک کو 'وقف' کرنے کا داعیہ عطا فرما دیا۔ پھر یہ بھی سراسر اُسی کا فضل وکرم کہ اُس نے 'شیعیت' اور اس کی جملہ شاخوں یا SHADES کے باطل ہونے اور مسلک اہلِ سنت والجماعت کے حق ہونے پر ایسا انشراحِ صدر عطا فرما دیا کہ جس میں شک وشبہ کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں، اب جہاں تک 'اہلِ سنت' کا تعلق ہے، جو بات علماء کرام اصولی طور پر تسلیم کرتے ہیں وہ میرا واقعی اور حقیقی 'حال' بن چکا ہے یعنی یہ کہ اس وسیع دائرے میں شامل جملہ ائمۂ فقہ اور محدثین کرام کی علمی کاوشوں کو میں اہلِ سنت کا مشترک علمی اثاثہ اور ورثہ (HERITAGE) سمجھتا ہوں۔ اور بعض مسائل میں خدا گواہ ہے کہ کسی 'سہولت' یا 'آسانی' کی خاطر نہیں بلکہ محض اطمینانِ قلب

کے لیئے سکہّ بند حنفی موقف اور "مُفتیٰ بہٖ" قول کو چھوڑ کر کسی ایسی رائے پر عمل کرنے پر 'مجبوُر' ہو جاتا ہوں جو ہوتی بہرصورت ان پانچ مسلکوں کے دائرے کے اندر اندر ہے۔

مثال کے طور پر 'فاتحہ خلف الامام' کا مسئلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کسی آسانی یا سہولت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا دل کسی طرح نہیں مانتا کہ میں امام کے پیچھے سرّی رکعتوں میں بھی بالکل خاموش کھڑا رہوں — جبکہ ائمہّ اربعہ میں سے بھی بعض — اور خود امام ابوحنیفہؒ کے اجلّ تلامذہ میں سے امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ سرّی رکعتوں میں مقتدی بھی سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہے! — اس کے بالکل برعکس معاملہ 'مزارعت' کا ہے کہ اس کے ضمن میں میں اپنے دل اور دماغ کے ہاتھوں بالکل 'مجبور' ہوں کہ صاحبینؒ اور امام بخاریؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کی آراء کے مقابلے میں اصلاً امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور تبعاً امام شافعیؒ کی آراء کی صحت کا اقرار ہی نہیں اعلان بھی کروں — (یہی وجہ ہے کہ میں نے مولانا محمد طاسین مدظلہّ کا اس موضوع پر مقالہ پندرہ اقساط میں ماہنامہ 'حکمتِ قرآن' میں شائع کیا —)۔

بہرحال یہ ہے میری وہ 'مشکل' جس کی بنا پر میں 'علماءِ کرام سے صرف اپنی ذات کی حد تک اس 'توسّع' کی اجازت کا طلبگار ہوں — ورنہ خدا گواہ ہے کہ کسی نئے مسلک کے آغاز یا نئی فقہ کی تدوین کا ارادہ تو کجا کوئی امکان بھی میرے حاشیہ خیال تک میں موجود نہیں — (بلکہ یہ واقعہ عرض کر ہی دوں کہ جب مولانا اصلاحی صاحب کے اُن "نیم شاگرد"، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور ایک دوسرے موقع پر اُن کے بھی ایک 'نیم شاگرد' نے میری اس بات کے جواب میں کہ "اگر 'حدِّ رجم' کے بارے میں مولانا اصلاحی کے موقف کو تسلیم کر لیا جائے تو معاملہ صرف 'حدِّ رجم' ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایک پورا نیا 'دین' وجود میں لانا ہوگا" — یہ کہا کہ "ہاں یہ بالکل صحیح ہے لیکن پورا نیا دین نہیں بلکہ 'نئی فقہ'!!" — تو واقعہ یہ ہے کہ مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی تھی!) — یہاں تک کہ جو لوگ مجھ سے 'بیعتِ جہاد' کے تعلق میں منسلک ہوتے ہیں ان کے ضمن میں بھی میں نے پوری وضاحت کے ساتھ اعلان کیا ہوا ہے کہ فقہی مسلک اور تزکیہ وسلوک دونوں کے اعتبار سے وہ بالکل آزاد ہیں، جس فقہی مسلک

کی چاہیں پیروی کریں — اور جس سلسلے میں چاہیں اور جس بزرگ سے چاہیں "بیعتِ ارشاد" میں منسلک ہو جائیں —— میری "اطاعت فی المعروف" کے پابند وہ صرف دعوت و اقامتِ دین کی جدّوجہد کے ضمن میں ہیں!

الغرض راقم کی "دعوت"، جس کا وہ "داعی" ہے وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکی اور اپنی ذات کی حد تک میری "استدعا"، جس کے لئے میں علماء کرام سے "مستدعی" ہوں یہ ہے جو ابھی بیان ہوئی —— اس کے سوا اللہ گواہ ہے کہ نہ کوئی "دعوٰی" ہے نہ ادّعاء! اور یہ بات میں آج کے دن تک کے لئے تو اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ پورے جزم و انشراح کے ساتھ کہہ سکتا ہوں — آئندہ کے لئے صرف اُسی تعالیٰ کی حفاظت و صیانت پر بھروسہ اور تکیہ ہے۔

متذکرہ بالا دو غلط فہمیوں کی بنا پر جو صدمہ، بجا طور پر ہر دو حضرات کو پہنچا اُس کے زیرِ اثر جو تلخ باتیں ان حضرات کے قلم سے صادر ہو گئیں۔ اُن پر گفتگو کو میں لا حاصل ہی نہیں مُضر سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ دو مغالطے رفع ہو گئے تو ان شاء اللہ ساری "برہمی" از خود ختم ہو جائے گی۔

البتہ ایک بات ایسی ہے کہ جس پر ان شاء اللہ کسی آئندہ صحبت میں تفصیلی گفتگو ہو گی — اور وہ ہے مولانا مودودی مرحوم اور تحریک جماعتِ اسلامی کے بارے میں میری رائے اور اُن کے ساتھ میرے تعلق کی نوعیت! —— اس پر چونکہ جناب خسروی صاحب اور بعض دوسرے مکتوب نگاروں نے بھی خاصی "طبع آزمائی" فرمائی ہے لہٰذا اس ضمن میں تفصیلی وضاحت میرے ذمّہ ہے —

آخر میں دست بدعا ہوں"

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ —— اٰمین یا ربّ العٰلمین!!!

الہدیٰ

(بیسویں نشست)

ایمان اور اس کے ثمرات

سورۃ تغابن کی روشنی میں

(مباحث ایمان)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلی ویژن کے دروس قرآنی کا سلسلہ

السلام علیکم — نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم — امّابعد :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ ۙ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ ۚ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۔ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔

صدق اللّٰہ العظیم

"اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے، پادشاہی اسی کی ہے اور کُل شکر و ثنا اور تعریف بھی اسی کے لئے ہے، اور وہ ہر چیز

پر قادر ہے۔ اسی نے تمہیں تخلیق فرمایا تو تم میں سے کچھ (اس کا) انکار کرنے والے ہیں اور کچھ (اس کو) ماننے والے ہیں۔ اور جو کچھ تم (اس دنیا میں) کر رہے ہو، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اور تمہاری نقشہ کشی کی اور بہت اچھی نقشہ کشی اور صورت گری فرمائی۔ اور (تمہیں) اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اور اللہ سینوں میں پوشیدہ رازوں کا بھی جاننے والا ہے۔"

معزز حاضرین و محترم ناظرین!

مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا درس ان مجالس میں ہو رہا ہے، اس کا ساتواں سبق سورہ تغابن (مکمل) پر مشتمل ہے۔ جو قرآن حکیم میں اٹھائیسویں پارے میں ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی چار ابتدائی آیات کی تلاوت ابھی آپ نے سماعت فرمائی اور ان کا ترجمہ بھی آپ نے سنا۔

قرآن حکیم کی چھوٹی سورتوں میں میرے مطالعہ اور غور و فکر کی حد تک ایمان کے موضوع پر جامع ترین سورت، سورۂ تغابن ہے۔ یہاں پھر یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ "ایمان" سے مراد قانونی یا فقہی ایمان نہیں ہے۔ جس کی بنا پر اس دنیا میں ہم ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں، بلکہ ایمان حقیقی مراد ہے جو عبارت ہے قلبی یقین سے۔ جو نور ہے جیسا کہ ہم سورہ نور کی آیاتِ نور میں دیکھ چکے ہیں، جس سے انسان کا باطن منور و روشن ہو جاتا ہے، جس کا اصل مرکز و مقام اور محل قلب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصحف میں سورۂ تغابن سے متصلاً قبل سورہ منافقون ہے۔ منافقین کے بارے میں یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ قانوناً وہ بھی مسلمان شمار ہوتے تھے۔ دنیا میں ان کے ساتھ معاملہ مسلمانوں کا سا ہوتا تھا لیکن وہ ایمان کی حقیقی روشنی اور نور سے محروم ہوتے تھے۔ اس طرح سورۂ منافقون کے بعد سورہ تغابن کو لا کر گویا کہ قرآن مجید میں تصویر کے دونوں رخوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

سورہ تغابن کی کل اٹھارہ آیات ہیں جو دو رکوعوں میں منقسم ہیں۔ یہ بڑی عجیب و دل کش تقسیم ہے۔ پہلے رکوع کی دس آیات میں سے پہلی سات آیات میں ایمانیات ثلاثہ کا بیان ہے — ایمان باللہ، صفاتِ باری تعالیٰ۔ ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرہ یا ایمان بالمعاد۔ پھر اگلی تین آیات میں ایمان کی نہایت زور دار دعوت ہے کہ یہ حقائق ہیں، ان کو تسلیم کرو، انہیں حرزِ جاں بناؤ۔ ان پر یقین سے اپنے باطن کو منور کرو۔

دوسرے رکوع کی کل آٹھ آیات ہیں، ان میں بھی یہی تقسیم ہے کہ پہلی پانچ آیات میں ایمان کے جو ثمرات ہیں، ایمان کے نتیجے میں انسانی شخصیت میں جو تبدیلیاں پیدا ہونی چاہئیں ان کا بیان ہے۔ اور آخری تین آیات میں ایمان کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کی نہایت زوردار اور مؤثر ترغیب و تشویق ہے۔ اس طرح ہم انشاء اللہ اس سورۃ مبارکہ کا مطالعہ چار نشستوں میں مکمل کر سکیں گے۔

اب آیئے پہلے حصہ کی جانب۔ ابتدائی چار آیات میں ایمان باللہ کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال کا بیان۔ اسی موقع پر ایک اصولی بات ذہن نشین کر لیجئے وہ یہ کہ ایمان اصلاً نام ہے ایمان باللہ کا۔ اصولی اعتبار سے، علمی اعتبار سے، نظری اعتبار سے ایمان کی جو بنیاد اور جڑ ہے وہ ایمان باللہ ہے۔ ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت درحقیقت ایمان باللہ کی فروع ہیں۔ اس کی شاخیں ہیں، اسی کی تشریحات (COROLLARIES) ہیں۔ چنانچہ ایمان بالوحی، ایمان بالنبوت، ایمان بالرسالت اصل میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہدایت کا مظہر ہے۔ ایمان بالآخرت ایمان بالمعاد اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل، اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی الحسیب کا مظہر ہے۔ وہ حساب لینے والا ہے اور حساب کے مطابق جزا و سزا دینے والا ہے۔ اسی صفت کا ظہور درحقیقت آخرت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اصل ایمان، ایمان باللہ ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کی پہلی چار آیات میں ایمان باللہ کا بیان نہایت معجز نما اسلوب و انداز میں غایت درجے اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ اب یہاں پہلے لفظِ تسبیح کو جان لینا چاہیئے۔ اگرچہ اس کے جو عام معنی ذہن میں فوری طور پر آتے ہیں وہ یہ اقرار ہے کہ اللہ پاک ہے۔ لیکن اس کا مفہوم کیا ہے؟ سَبَحَ یَسْبَحُ عربی میں کسی چیز کے تیرنے کو کہتے ہیں۔ یا وہ پانی کی سطح پر تیر رہی ہے یا وہ فضا یا خلا میں تیر رہی ہے اپنے مدار پر اپنی سطح کو برقرار رکھتے ہوئے۔ چنانچہ آپ نے قرآن مجید میں یہ الفاظ ایک مقام سے زائد مقامات پر دیکھے ہوں گے: كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ یہ تمام اجرام سماویہ اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ یہ فعل لازم ہے اس سے فعلِ متعدی بنے گا تیرانا، کسی شے کو اس کی سطح پر برقرار رکھنا۔ یہ ہے سَبَّحَ یُسَبِّحُ۔ اللہ کی تسبیح یہ ہے کہ اس کا جو مقامِ بلند ہے، اس کی جو اعلیٰ و ارفع شان ہے، اسے اس پر برقرار رکھا جائے۔ اس کی ذاتِ اقدس اور صفاتِ اکمل کے ساتھ کوئی ایسا تصور شامل نہ کر دیا جائے جو اس کے شایانِ شان نہ ہو۔ کوئی ایسا تصور اس کی ذات و صفات

کے ساتھ شامل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ اسے نیچے گرا رہے ہیں معاذ اللہ۔ پس تسبیح باری تعالیٰ کا مفہوم کیا ہے؟ اس بات کا اقرار کہ اللہ ہر عیب سے، ہر نقص سے، ہر ضعف سے، ہر احتیاج سے ماورا ہے، بلند و بالا ہے، اعلیٰ و ارفع ہے، منزہ ہے اور پاک ہے۔ یہ گویا معرفتِ الٰہی کا سلبی پہلو ہے کہ ہم نے یہ جان لیا کہ اللہ میں کوئی نقص نہیں، اللہ میں کوئی عیب نہیں، اللہ میں کوئی احتیاج نہیں وہ ان سب سے منزہ اور پاک ہے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کس معنی و مفہوم میں اللہ کی تسبیح کر رہی ہے؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کوئی زبان دی ہو۔ پرندوں کی اپنی زبان ہے، اپنی بولیاں ہیں شجر و حجر بھی آپس میں COMMUNICATE کرتے ہیں، ان کے بھی احساسات ہیں، اب تو سائنس ان حقائق کا ادراک اور اعتراف کر رہی ہے۔ چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کی گفتگو کا سورہ نمل میں ذکر موجود ہے: قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ۔ لہٰذا یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو کوئی زبان عطا فرمائی ہو۔ چونکہ قرآن مجید میں ایک مقام پر یہ الفاظ آتے ہیں: أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔ میدانِ حشر میں انسان کے اعضاء جب اس کے خلاف گواہی دیں گے تو انسان پکار اٹھے گا کہ تم ہمارے جسم کا حصہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے خلاف گواہی دے رہے ہو، تو وہ جواب میں کہیں گے کہ آج اللہ نے ہمیں بھی نطق اور گویائی عطا فرمادی ہے جس نے کہ ہر شے کو گویائی عطا فرمائی: أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔

لیکن ظاہر بات ہے کہ کائنات کی ہر شے جو تسبیح لسانی کر رہی ہے، تو وہ ہمارے فہم سے ماورا ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ "اس (اللہ) کی تسبیح تو ساتوں آسمانوں اور زمین اور وہ ساری چیزیں کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں، کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس کی تحمید کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔"

البتہ اس تسبیح کا ایک پہلو وہ بھی ہے جو ہماری سمجھ میں آتا ہے، اسے ہم کہیں گے تسبیح حالی۔ گویا کہ ہر شے اپنے وجود سے اعلان کر رہی ہے، زبانِ حال سے اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ میرا خالق، میرا مالک، میرا صانع، میرا مصوّر، میرا موجد، میرا مدبر ایک ہستی کامل ہے جس کے علم میں نہ کوئی کمی ہے، نہ جس کی قدرت میں کوئی کمی ہے اور نہ حکمت میں کوئی کمی ہے۔ آپ کو معلوم

ہے کہ اگر کوئی تصویر نہایت اعلیٰ ہے۔ فنِ مصوری کا شہ پارہ ہے تو درحقیقت وہ تصویر اپنے وجود سے اپنے مصوّر کے کمالِ فن کو ظاہر کرتی ہے۔ تخلیق اگر کامل ہے تو اس سے خالق کا کمال ظاہر ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہ کل کائنات، یہ کل مصنوعات، یہ کل مخلوقات اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیقِ اکمل و اتم اور صفتِ صورت گری کے مظاہر ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ سورۂ حشر کی آخری تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے چودہ صفاتی اسمائے حسنیٰ آتے ہیں۔ اللہ کے صفاتی نام ہائے گرامی کا ایسا حسین گلدستہ کسی اور مقام پر نہیں آیا ہے۔ ان اسمائے حسنیٰ میں تین نام نامی آج کی گفتگو سے متعلق ہیں۔ الخالق، البارئ اور المصوّر۔ اللہ تخلیق کی منصوبہ بندی کرنے والا، اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے مطابق صورت گری و نقشہ کشی کرنے والا بھی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کل کائنات اور کل موجودات کا الخالق، البارئ اور المصور اللہ سبحانہٗ کی ذاتِ اقدس ہے اور اگر یہ تخلیق و تصویر کامل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ ملک میں چیلنج کے انداز میں ارشاد فرمایا: مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ تم ہماری تخلیق میں کوئی نقص تلاش نہ کر سکو گے ذرا چاروں طرف نظر دوڑاؤ تمہیں کہیں کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ ذرا دوبارہ دیکھو۔ کہیں کوئی نقص اور عیب کی نشان دہی کر سکتے ہو؟ تمہاری نگاہیں تھک ہار کر لوٹ آئیں گی تم ہماری اس تخلیق میں کوئی نقص اور عیب نہ نکال سکو گے ——— تو بے عیب اور نقص سے منزّہ کون ہے، وہ ہستی کہ جس نے ان سب کو پیدا فرمایا، جو اس کا خالق ہے، جو اس کا مدبّر ہے جو اس کا مصور ہے۔ یہ ہیں معنی و مفاہیم یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کے۔

آگے چلیے اسی آیت میں ارشاد فرمایا: لَهُ الْمُلْكُ "بادشاہی اسی کی ہے"۔ اس پوری کائنات کا حکمران حقیقی وہی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

وہ De-Jure بھی اس کائنات کا بادشاہ ہے یعنی حکمرانی فقط اس کا استحقاق ہے اور De-facto بھی بادشاہی اسی کی ہے۔ فی الواقع بادشاہ حقیقی اسی کی ذات ہے۔ لَهٗ میں حرف جار لام، لام استحقاق کے معنی بھی دے رہا ہے اور لام تملیک کے بھی، جن مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے کچھ اختیار بخشا ہے اور وہ اپنے اس اختیار سے اِدھر یا اُدھر چلنے کا فیصلہ کرتے

ہیں تو ہم اگر صحیح نہج سے غور کریں تو ہم کو معلوم ہو گا کہ ہمارا اپنا پورا وجود بھی اللہ کے قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ ہم خود اپنے وجود پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہم اس بات پر بھی قادر نہیں ہیں کہ اپنے جسم کے کسی حصے پر بال کی روئیدگی کو روک سکیں۔ ہمیں یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ جب چاہیں اپنے قلب کی حرکت کو روک دیں اور جب چاہیں اسے رواں کر دیں۔ ہم آنکھ سے سننے کا کام نہیں لے سکتے اور کان سے دیکھنے کا کام نہیں لے سکتے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا یہ وجود بھی ہمارے حکم کے تابع نہیں ہے، وہ بھی اسیؑ پادشاہِ حقیقی کا حکم مان رہا ہے۔ لَہُ الْمُلْکُ۔

آگے ارشاد فرمایا: وَلَہُ الْحَمْدُ ، "اور کل حمد بھی اسیؑ کے لئے ہے"۔ حمد کے لفظ کی اس سے قبل سورہ فاتحہ کے درس میں تشریح بیان ہو چکی ہے کہ 'حمد' مجموعہ ہے شکر و ثنا دونوں کا۔ کُل شکر اسی کے لئے ہے، کل ثنا اسی کی ہے، اس پورے سلسلہ کون و مکاں میں جہاں کہیں کوئی خیر و خوبی، کوئی بھلائی، کوئی حسن، کوئی کمال نظر آ رہا ہے تو اس کا منبع و سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات والا صفات ہے لہٰذا تعریف کا حقیقی سزاوار وہؑ ہی ہے، اسی طرح ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہو رہا ہے جو انتفاع ہو رہا ہے، جو افادہ ہو رہا ہے وہ چاہے بہت ہی طویل سلسلہ اسباب سے ہو کر ہم تک پہنچ رہا ہو لیکن اصلاً مسبب الاسباب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لہٰذا شکر کا حقیقی مستحق و مستوجب وہیؑ ہے۔

آگے چلئے! ابھی پہلی ہی آیت کا بیان ہو رہا ہے، ارشاد فرمایا: وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ یہاں پہلی آیت ختم ہوئی۔ "اور وہؑ عزّ و جل ہر چیز پر قادر ہے"۔ اس سے قبل ایک درس میں عرض کیا جا چکا ہے کہ معرفت الٰہی کے ضمن میں جہاں تک ذات باری تعالیٰ کا تعلق ہے، وہ ہمارے فہم[1]، ہماری قوتِ متخیلہ، ہماری قوتِ واہمہ سب سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے ہمارا اللہ تعالیٰ کو جاننا اور پہچاننا کُل کا کُل اس کی صفات کے حوالے سے ہے، صفات کے بھی دو پہلو ہیں، ایک اس کا QUALITATIVE ASPECT ہے، اس کی کیفیت۔ وہ علیم ہے، وہ قدیر

---

[1] امت مسلمہ کے سب سے بڑے عارف باللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور قول ہے العجز عن درک الذات ادراک۔ "اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادراک سے عاجز ہو جانا ہی اصل ادراک ہے"۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گرہ لگائی کہ: والبحث عن کنہ الذات اشراک۔ "اللہ کی ذات کی حقیقت جاننے کے لئے بحث و تمحیص شرک ہے"۔ (مرتب)

ہے۔ وقس علیٰ ھٰذا۔ ایک QUANTITATIVE ASPECT ہے۔ اس کی کمیت۔ وہ کتنا علیم ہے! وہ کتنا قدیر ہے! وہ ہمارے ذہن وشعور اور فہم وادراک سے ماورا ہے۔ ہمارے ذہن کے چھوٹے سے سانچے میں جو محدود ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفاتِ مطلقہ اپنی پوری شان کے ساتھ نہیں آسکتیں، لہٰذا ہمارے لئے پناہ گاہ ہے ایک لفظ کُل۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے پہلے رکوع کی آیت ان الفاظِ مبارکہ پر ختم ہوگی۔ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ "اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے"۔ گویا صفات باری تعالیٰ کے ضمن میں ہماری پناہ گاہ لفظِ کُل ہے۔ اسی لئے میں نے اس کو تلاوت کرتے ہوئے زور دے کر ادا کیا تھا۔

اگلی آیت کے آغاز میں فرمایا: ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ۔ اب غور فرمایئے۔ پہلی آیت تمہید بنی اور اب پس منظر شروع ہوا وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا" اور تم سب کو پیدا کیا گوروں کو بھی، کالوں کو بھی، مشرق کے رہنے والوں کو بھی، مغرب کے رہنے والوں کو بھی ——— تو کتنی حیرت کی بات ہے کہ تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن ہیں: فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ۔ چونکہ اس نے ارادے اور عمل کی انسان کو تھوڑی سی آزادی دی ہے۔ اور یہ آزادی ابتلاء وآزمائش کے لئے ہے جیسے سورہ ملک میں فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا "اللہ ہی ہے جس نے موت وحیات کے سلسلے کو ایجاد فرمایا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کون کرنے والا ہے"۔ سورہ دہر میں فرمایا اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا "ہم نے اسے (ہدایت کا) راستہ دکھا دیا اب وہ خواہ شکر گزار بندہ بنے خواہ ناشکرا اور انکار کرنے والا بنے"۔ اسی اختیار کا ظہور اس طرح ہو رہا ہے کہ کچھ اللہ کا کفر کرنے والے ہیں اور کچھ اس کو ماننے والے ہیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ روش اور یہ رویہ بے نتیجہ نہیں رہے گا۔ لہٰذا مطلع فرما دیا: وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ "جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے"۔ اس میں ایک دھمکی اور ایک بشارت مضمر ہے۔ جو لوگ اللہ کے منکر ہوں گے۔ باغی ہوں گے، جو سرکش اور متمرد ہوں گے۔ جو ناشکرے ہوں گے، جو اس کا کفر کریں گے اور جو اس کے ساتھ شرک کریں گے، ان کو وہ سزا دے گا۔ یہ آیت کے اس ٹکڑے میں دھمکی والا مفہوم ہے۔ بشارت والا مفہوم یہ ہے کہ جو اس کے شکر گزار بندے ہونگے جو اس کو ماننے والے ہوں گے، جو اس کی معرفت سے اپنے قلوب واذہان کو منور کریں گے ان کو وہ جزا دے گا، ان کو وہ انعام واکرام سے نوازے گا۔

اگلی آیت میں ارشاد فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ۔ "اس نے یہ آسمان اور زمین جو پیدا فرمائے تو بیکار و بے مقصد پیدا نہیں کئے بلکہ بالحق پیدا فرمائے۔ ایک مقصد کے ساتھ پیدا کئے۔ اب اس مقصد کا ظہور تمہاری زندگی میں کس طرح ہوگا: وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ تم اس تخلیق کا نقطۂ عروج ہو۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، تمہیں کیسی ظاہری اور باطنی استعدادات سے اس نے نوازا ہے۔ تمہیں اس نے فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ تخلیق فرمایا ہے، تمہاری صورت گری کی ہے اور ناک نقشہ عطا فرمایا ہے اور کیا ہی عمدہ اور خوب ترین تمہیں شکل و صورت دی ہے۔ تو کیا تمہاری تخلیق عبث ہوگی! کیا بس کھانا پینا، زندہ رہنا اور مر جانا ہے! یہی تمہاری کل حقیقت ہے!! نہیں بلکہ: وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ اور اس کی طرف لوٹنا ہے"۔ یہ لوٹنا جواب دہی کے لئے ہوگا، تمہیں محاسبہ کرنا ہوگا، تمہارا مقام اور تمہارا رتبہ دوسری مخلوقات اور حیوانات جیسا نہیں ہے۔ تم اشرف المخلوقات ہو۔ لہٰذا تمہاری ذمہ داری بھی زیادہ ہے، تمہیں جواب دہی کرنی ہوگی ——— یہاں آپ نے دیکھا کہ مضمون تدریجاً ایمان باللہ سے ایمان بالآخرت کی طرف منتقل ہوگیا۔

آج ہم ان تین آیات کی مختصر تشریح پر اکتفا کریں گے۔ اب آپ کو آج کے سبق کے ضمن میں کوئی سوال، کوئی تشریح و تصریح، کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال: ڈاکٹر صاحب! العلیم اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ میں سے ایک صفت ہے۔ کیا اس کے ہوتے ہوئے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے حساب لے؟

جواب: اللہ تعالیٰ جہاں العلیم ہے وہاں وہ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ بھی ہے۔ وہ العادل اور المنصف بھی ہے وہ الحکیم بھی ہے۔ لہٰذا اس کی ان صفاتِ کمالیہ کا ظہور اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی جو اختیار دیا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس اختیار کے صحیح استعمال کا بھی امکان ہے اور غلط استعمال کا بھی۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صحیح استعمال پر جزا ملنی چاہیئے، غلط استعمال پر سزا ملنی چاہیئے۔ لہٰذا یہ تو عقلی اور منطقی طور پر ضروری ہے کہ حساب ہو۔ انگریزی کا مشہور مقولہ ہے کہ:

"Justice should not only to be done, but it should also appear to have been done"

البتہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو اپنے علم کامل کی بنیاد پر بغیر حساب بھی جنت میں داخل فرمائے گا، احادیث صحیحہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ متوکلین جن کا بیان اسی سورۂ مبارکہ میں آگے آئے گا، جن کے اندر صفتِ توکل انتہائی شدت کے ساتھ پیدا ہو چکی ہو، اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا حساب موجود ہے دوسروں کے سامنے ان کا حساب لینے کی ضرورت نہیں ہوگی، یوں تو ساری مخلوق کا حساب اللہ تعالیٰ کے علم کامل میں موجود ہے، لیکن اس کی صفتِ عدل کا ظہور اسی طرح ہوگا کہ وہ ملزم کو جرم ثابت ہونے پر سزا دے۔ اسی طرح بعض لوگوں سے اللہ تعالیٰ آسان حساب لے گا۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے: "اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَّسِیْرًا" اے اللہ ہم سے آسان حساب لیجیو"

حضرات! آج کی نشست میں اگرچہ سورہ تغابن کی چار آیات کا بیان وقت کی تنگی کے سبب سے نہیں ہو سکا، تاہم ایمان باللہ کے ضمن میں بہت سے بنیادی مسائل اور امور ہمارے سامنے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنی ذات اور صفاتِ کمال کی معرفت کے نور سے پُر کر دے۔ آمین،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

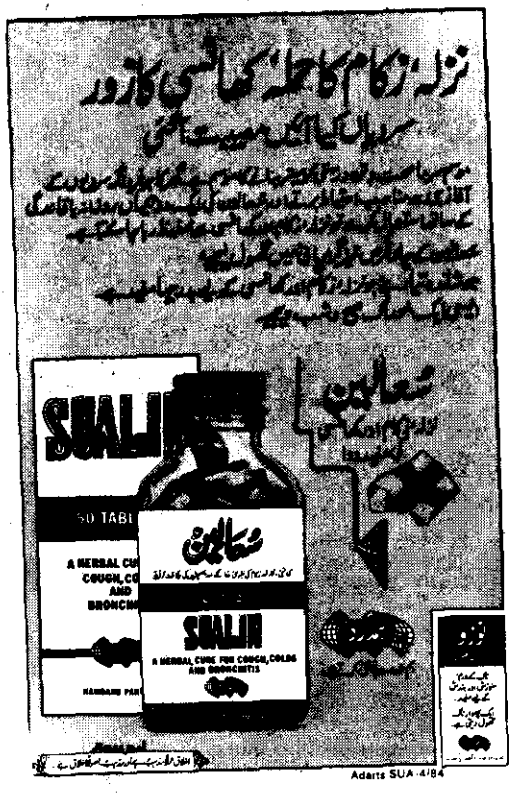

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپریس روڈ ۔ لاھور

عُلماءِ کرام کے لیئے
توجّہ طلب مسئلہ !

از : مولانا محمد طاسین صاحب ، کراچی

اس توجہ طلب مسئلہ سے میری مُراد وہ مسئلہ ہے ، جو پاکستان میں نظامِ بنکاری کی اُس نئی شکل کے حوالے سے وجود میں آیا ہے جس کے مطابق عنقریب موجودہ نظام بنکاری کو تبدیل کیا جانے والا ہے اور تبدیل اس بلند بانگ دعوے کے ساتھ کیا جانے والا ہے کہ نظام بنکاری کی یہ نئی متبادل شکل غیر سودی اور اسلامی ہے باوجودیکہ موجودہ رائج شکل جسے سودی اور غیر اسلامی تسلیم کر لیا گیا ہے اور قائم کی جانے والی نئی متبادل شکل میں کوئی تحقیقی ، جوہری اور بنیادی فرق نہیں دونوں اپنے اجزاء ترکیبی ، اصول و قواعد ، اغراض و مقاصد اور اپنے عملی اثرات و نتائج میں برابر و یکساں ہیں ۔

اگر کسی چیز کا محض نام بدل دینے اور الفاظ کے تغیّر و تبدّل سے اس چیز کی حقیقت اور خاصیت بدل سکتی اور اس کا شرعی حکم مختلف ہو سکتا ہے تو پھر بنکاری کی یہ نئی متبادل شکل بھی غیر سودی اور اسلامی ہو سکتی ہے لیکن چونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ زہر کو تریاق کہنے سے زہر تریاق اور سیاہ کو سفید کہنے سے سیاہ سفید بن گیا ہو لہذا جو معاملہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے ربوٰا اور سُود ہے وہ شرکت اور مضاربت کہہ دینے سے کبھی شرکت و مضاربت نہیں بن سکتا اور نہ وہ حرام سے حلال ہو سکتا ہے ۔

بہر حال جہاں تک میرے مطالعے اور علم و فہم کا تعلق ہے میں نظام بنکاری کی نئی مجوزہ شکل کو بھی سودی اور غیر اسلامی سمجھتا ہوں لیکن چونکہ یہ مسئلہ اپنے نتائج و اثرات کے لحاظ سے بڑا اہم اجتماعی مسئلہ ہے لہذا میری گزارش ہے کہ محقق علماء کرام اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں اور اس کے تمام پہلوؤں کا تحقیقی اور تفصیلی جائزہ لے کر قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتماعی اجتہاد کے ذریعے یہ فیصلہ کریں کہ بنکاری کی

یہ جو نئی مجوّزہ متبادل شکل ہے غیر سودی اور اسلامی ہے۔ یا سودی اور غیر اسلامی! اگر اجتماعی فیصلہ اس کے سودی اور غیر اسلامی ہونے کا ہو تو پھر اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر اس کا اظہار و اعلان کیا جائے تاکہ مسلمان سودی کو غیر سودی اور حرام کو حلال سمجھنے کے دھوکے اور مغالطے سے بچ جائیں اور اسلام کے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ ہو جس سے اس کی عظمتِ شان پر کوئی حرف آسکتا ہو۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اگر اس نئے متبادل نظام بنکاری کو غیر سودی اور اسلامی کے نام سے نہ پیش کیا جاتا تو نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا اور نہ علماء کو اس کا نوٹس لینے، اُس کی طرف توجہ دینے اور اس پر بحث و تحقیق کرنے کی زحمت اٹھانی پڑتی، آخر موجودہ نظام بنکاری بھی تو ایک زمانہ سے قائم اور چل رہا ہے۔ علماء نے کب اُس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اُسے ایک مسئلہ بنایا۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اس نئے مجوّزہ نظام بنکاری کو پورے زور و شور کے ساتھ غیر سودی اور اسلامی کے عنوان سے متعارف کرایا جا رہا ہے جو حقیقتِ واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے، اور پھر اس غلط بیانی کو بھی نظر انداز کیا جا سکتا تھا اگر نظام بنکاری میں اس نئی تبدیلی سے یہ توقع ہوتی کہ اس کے ذریعے معاشرہ کی موجودہ معاشی حالت میں خوشگوار تغیّر و تبدّل ظاہر ہوگا اور اس معاشی ناہمواری اور اقتصادی اُونچ نیچ میں کچھ کمی نمودار ہوگی جو اس وقت ہمارے معاشرے میں تشویشناک حد تک پائی جاتی اور بکثرت معاشرتی برائیوں کا باعث ہے۔ بالفاظِ دیگر اس تبدیلی سے عام آدمی کی معاشی پریشانی کچھ کم ہو کر اُسے فائدہ پہنچے گا اور اس کی معاشی حالت بہتر ہوگی، لیکن یہ تبدیلی ایسی ہے جس میں کسی ایسی توقع کی صلاحیت ہی نہیں، اس کے بعد بھی معاشی صورتِ حال ویسی ہی رہتی ہے، جیسی اس وقت موجود ہے بنکوں سے تعلق رکھنے والی دولت کی گردش انہی لوگوں تک محدود رہتی ہے جن تک اس تبدیلی سے پہلے محدود ہے۔ جس طرح موجودہ نظامِ بنکاری سے ایک طرف اُن کھاتہ دار افراد کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جو ضرورت سے زائد مال رکھتے اور اُسے مزید بڑھانے کی غرض سے بنک کو دیتے ہیں، اور دوسری طرف اُن متمول کاروباری لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جو اپنے تمول میں اضافہ کرنے کے لیے بنک سے سودی قرضے لیتے اور کاروبار چمکاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح اس نئے نظام بنکاری کا فائدہ بھی انہی مذکورہ دو قسم کے لوگوں تک محدود رہتا ہے۔

ایک عام آدمی جو اپنے پاس بنک میں کھاتہ کھولنے کے لیے ضرورت سے زائد مال نہیں رکھتا، یا جو ناداری کی وجہ سے بنک سے قرضہ نہیں لے سکتا۔ ظاہر ہے کہ اُسے اِس متبادل نظام بنکاری سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور چونکہ ایسے افراد کی تعداد معاشرے میں نوّے فیصد سے کم نہیں لہٰذا یہ تبدیلی معاشرے کی عظیم اکثریت کے لیے بیکار اور غیر مفید ثابت ہو کر رہے گی۔

غرضیکہ اس میں بھی خواہانِ اسلام کے لیے تشویش اور فکر مندی کا پہلو یہ ہے کہ اسلام کے نام پر کی گئی اس تبدیلی سے جب معاشرے کی موجودہ معاشی حالت میں کوئی خوشگوار تغیّر رونما نہ ہوگا اور عام آدمی کی معاشی پریشانی میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی تو مخالف اسلام سوشلسٹ قسم کے لوگوں کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا غنیمت موقع ملے گا اور وہ جاہل عوام کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے کہیں گے کہ اسلام کا معاشی نظام بھی بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام ہے جو غریب عوام کے مقابلہ میں سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کرتا اور اُن کی بہتری اور ترقی چاہتا ہے۔ سوائے صدقہ وخیرات کے اُس کے پاس معاشی لحاظ سے پسماندہ غریب عوام کے لیے اور کچھ نہیں۔ تم نے دیکھ لیا اسلام کے نام سے یہاں جو معاشی ردوبدل ہُوا، اُس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچا، جبکہ اس کے مقابلہ میں سوشلزم کا مقصد تمہاری معاشی حالت بہتر بنانا اور تمہارے لیے ترقی کے مواقع مہیّا کرنا ہے اور اس کا روشن ثبوت وہ معاشی حالات ہیں، جو سوشلسٹ ممالک کے اندر عملی طور پر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً وہاں ہر ایک کے لیے غذا، لباس، مکان، اور مفت تعلیم اور علاج کا انتظام ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے پروپیگنڈے سے غریب عوام کا متاثر ہونا اور پھر اسلام سے دُور اور سوشلزم کے قریب ہو جانا ایک قابلِ فہم اور قدرتی امر ہے۔ نیز اس سے اسلام کی نیک نامی پر مُضر اثر پڑنا بھی قدرتی بات ہے۔ بنا بریں ضروری ہو جاتا ہے، کہ علمائے کرام، اسلام کے نام سے کی جانے والی اس قسم کی فضول معاشی تبدیلیوں کا نوٹس لیں اور اُن کی صحیح شرعی حیثیت واضح کر کے مسلمانوں کو اس کے مضرات و نقصانات سے آگاہ کریں۔ اور اگر تساہل وغیرہ کی وجہ سے علماءِ کرام ایسا نہیں کرتے اور خاموش رہتے ہیں تو آگے چل کر اس کے جو بُرے نتائج و عواقب سامنے آئیں گے

اُن کا بہت بڑی حد تک علماء کرام کو ذمہ دار گردانا جائے گا اور انہیں اس کا بُرا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

راقم الحروف اپنے علماءِ کرام کے سامنے نظام بنکاری کی نئی متبادل شکل کی تفصیلی وضاحت سے پہلے ایک بات اپنے اربابِ اقتدار کی خدمت میں بھی اخلاص و دردمندی کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آج اشتراکیت اور سرمایہ داری کے مابین نزاع و کشمکش کے نتیجہ میں دنیا بھر کے اندر عموماً اور ہمارے اردگرد خصوصاً جو حالات پائے جاتے ہیں، اُن کا تقاضا ہے کہ ہم پاکستان میں اسلام کے نام سے جو معاشی اصلاحات تجویز کریں اور جو تبدیلیاں عمل میں لائیں وہ ایسی ہونی چاہئیں جن سے نچلے درجہ کے پسماندہ عوام کی معاشی حالت بہتر بن سکتی اور اس غیر فطری معاشی نشیب و فراز اور اُونچ نیچ میں کچھ کمی آسکتی ہو، جو اس وقت ہمارے پاکستانی معاشرے میں موجود اور بے شمار معاشرتی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی برائیوں اور اخلاقی بدعنوانیوں کا سبب اور منبع ہے اور جس کے ہوتے ہوئے معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی تمنا و آرزو کبھی پوری نہیں ہوسکتی اور معاشرے کو صحیح معنوں میں اسلامی بنانے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

ایسی معاشی اصلاحات اور تبدیلیوں سے ہمیں احتراز برتنا چاہیئے جو جزوی اور سطحی قسم کی ہوں اور جن کا فائدہ عظیم اکثریت کی بجائے ایک معمولی اقلیت کو پہنچتا اور دولتمند لوگوں کی دولت و ثروت میں مزید اضافے کا باعث بنتی ہوں، دیکھا جائے تو نظام بنکاری میں مجوزہ تبدیلی اور اصلاح بھی اسی قسم کی ہے جس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

بلاشبہ ایک اسلامی معاشرے سے ربوٰا و سود کا ختم کرنا ازبس ضروری ہے لیکن اسے ختم کرنے سے پہلے یہ جاننا اور متعین کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ربوٰا اور سود کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علّت کیا ہے اور کیا نہیں؟ اور یہ کہ جس ظلم و استحصال کی وجہ سے ربوٰا کو قرآن و حدیث نے حرام ٹھہرایا ہے وہ نظام بنکاری کے علاوہ معاش کے دوسرے شعبوں مثلاً تجارت، صنعت اور زراعت میں کہاں کہاں اور کن کن شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کے لیے جو اسلام کے مطابق معاشرے کی اصلاح کرنا اور اُس کے اندر معاشی تبدیلیاں

عمل میں لانا چاہتے ہوں اُس حکمتِ عملی اور حکیمانہ طریق کار کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ جسے ایک فاسد اور بگڑے معاشرے کی اصلاح کے سلسلہ میں پوری طرح ملحوظ و مدِ نظر رکھنے کی اسلام میں تعلیم اور تاکید ہے۔ اور جس کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بگڑے معاشرے کی بتدریج اصلاح فرما کر اس کا پورا ڈھانچہ بدلا اور اُمّت مسلمہ کو یہ سبق دیا کہ اُس کے مصلحین جب بھی کسی بگڑے معاشرے کی اصلاح کرنا چاہیں تو میری اس حکمت عملی اور سُنّت کو پوری طرح سامنے رکھیں اور اس کے مطابق اصلاحی تبدیلیاں عمل میں لائیں تاکہ جو اصلاحی تبدیلی عمل میں آئے استحکام و پائیداری کے ساتھ قائم رہے اور مخالف ردِّ عمل سے اُس کا فائدہ، نقصان سے نہ بدلے جو ہمیشہ فائدہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوا کرتا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعے اور علم و فہم کا تعلق ہے، مَیں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے ماہرین اقتصادیات کے پینل نے بلا سود بنکاری سے متعلق جو رپورٹ مرتّب کی اور کتابی شکل میں سامنے آئی ہے اُس میں نہ ربوٰا اور سُود کی حقیقت کو کما حقہٗ سمجھا گیا ہے اور نہ اُس علّت کو جس کی وجہ سے ربوٰا و سُود حرام ہے، دراصل اس سلسلہ میں جس غیر معمولی مطالعے، غور و فکر اور ریسرچ و تحقیق کی ضرورت تھی، غالباً پینل کی اکثریت کو اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے اس کا پورا موقع نہیں مل سکا، اور اگر کچھ ممبروں کو اس کا موقع ملا تو افسوس کہ اُن کی آراء کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا گیا اور نظر انداز کر دیا گیا جیسے محترم شیخ محمود احمد کی رائے کو جو اسلامی نقطۂ نظر سے درست اور صائب الرائے تھی اور جو اس رپورٹ کے ساتھ نہیں بلکہ بعد میں الگ شائع ہوئی اور اخبار جسارت کے ذریعے منظرِ عام پر آئی، بہرحال مجھے اُن حضرات کی نیک نیتی اور اسلام دوستی کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اسی طرح بحیثیت مجموعی ان کی علمی قابلیت کا بھی اعتراف ہے۔ لیکن جہاں تک ربوٰا کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی علّت کا تعلق ہے اس کے صحیح شعور و ادراک سے یہ حضرات قاصر رہے ہیں، اور مَیں سمجھتا ہوں اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اس میں ان کی توجہ نظری سے زیادہ عملی پہلو پر رہی اور انہوں نے اس فرق کو پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا جو نظریے اور اس کی تطبیق کے مابین ہوتا ہے۔ نیز انھوں نے اس غور و فکر میں معروضی سے زیادہ موضوعی طریقہ سے کام لیا، بالفاظِ دیگر انہوں نے اس کا زیادہ خیال رکھا کہ مسئلے کا حل ایسا ہونا چاہیئے جو معاشرے کے

موجودہ حالات میں قابلِ عمل ہو لیکن اس کا لحاظ نہیں رکھا کہ اس سے وہ عملی نتائج بروئے کار آسکتے ہیں یا نہیں جنہیں بروئے کار لانا اسلام کا اصل مقصود ہے۔

اب میں اس نئے متبادل نظام بنکاری کی کچھ تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کی شرعی حیثیت کا تعین آسانی کے ساتھ کیا جا سکے۔ اس کے متعلق پہلی بات یہ کہ بنک کا یہ ادارہ کوئی ایسا تعاونی اور رفاہی ادارہ نہیں جس کا مقصد بغیر کسی مادی معاوضے کے محض اللہ کی رضا اور اُخروی اجر و ثواب کی خاطر خلقِ خدا کی خدمت کرنا اور اُسے فائدہ پہنچانا ہو بلکہ یہ ایک کمرشل اور تجارتی ادارہ ہے جس کا مقصد مال و دولت کمانا اور اپنے تموّل کو بڑھانا ہے۔ دوسرے کمرشل اداروں اور اس کمرشل ادارے کے درمیان فرق یہ ہے کہ وہ تجارت، صنعت اور زراعت وغیرہ کے کام کر کے نفع کماتے ہیں اور یہ زر و نقدی کے لین دین کے ذریعہ نفع کماتا ہے یعنی کم معاوضے پر کچھ لوگوں سے زر و نقدی لیتا اور زیادہ معاوضے پر دوسرے لوگوں کو زر و نقدی دیتا اور اس کمی بیشی سے فائدہ اُٹھاتا ہے چنانچہ اس پہلو سے موجودہ نظام بنکاری اور اس متبادل مجوّزہ نظام بنکاری میں کچھ فرق نہیں۔

دوسری بات یہ کہ موجودہ نظام بنکاری کی طرح نئے نظام بنکاری کے لیے بھی یہی طے پایا ہے کہ اُس کے لین دین کی قانونی حیثیت واجب الادا قرض کی ہوگی۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتا اور نہ ترقی کر سکتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس میں بھی یہی طے کیا گیا ہے کہ بنک اپنے کھاتہ داروں کو نفع کے نام پر جو زائد دے گا یا اپنے قرضداروں سے جو زائد لے گا اُس کا تعین وقت اور مال کی مقدار اور کمی بیشی کے لحاظ سے ہوگا مثلاً سو روپے والے کھاتہ دار کے لیے اگر سال میں دس روپے زائد ہوں گے تو چھ ماہ میں پانچ روپے اور دو سال میں بیس روپے زائد ہوں گے۔ اسی طرح اگر سو روپے والے کھاتہ دار کے لیے مثلاً سالانہ دس روپے زائد ہوں گے تو دو سو والے کے لیے سالانہ بیس۔ پانچ سو والے کے لیے سالانہ پچاس اور ہزار والے کھاتہ دار کے لیے سالانہ سو روپے زائد ہوں گے اور یہ بھی طے پایا ہے کہ اس زائد کے تعین کا اختیار فریقین معاملہ کو نہیں، بلکہ اسٹیٹ بنک کو ہوگا۔ نیز یہ بھی طے پایا ہے کہ زائد کی ادائیگی کے معاملے کے اختتام پر نہیں بلکہ دوران معاملہ ہر چھ ماہ بعد ہوتی رہے گی۔ اسی طرح چونکہ اس میں یہ بھی طے کیا

گیا ہے کہ بنک کھاتہ دار کو اور قرض دار بنک کو ہر حال میں اس کی اصل رقم مع مقررہ اضافہ کے ضرور ادا کرے گا۔ لہٰذا معاہدہ کی رُو سے کھاتہ دار اور بنک دونوں کے لیے نقصان کا سرے سے کوئی احتمال ہی باقی نہیں رہتا۔ پھر جس طرح موجودہ نظام بنکاری کے اندر کھاتہ دار کو بغیر کسی کام و محنت کے اور کوئی نقصان برداشت کرنے کی ذمہ داری کے اصل پر کچھ زائد کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح نئے مجوّزہ نظام بنکاری کے اندر بھی کھاتہ دار کو بغیر کسی کام و عمل کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ذمہ داری کے اصل پر زائد کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے، اسی طریقہ سے مجوّزہ نظام بنکاری کی مانند نئے مجوّزہ نظام بنکاری میں بھی یہ اصول مقرر ہے کہ بنک صرف ایسے کاروباری لوگوں کو قرضہ دے گا جن کے متعلق اسے وثوق و اعتماد ہوگا کہ وہ کاروباری تجربہ، فنّی مہارت اور دیانتداری کے ساتھ مالی طور پر ادائیگی کی صلاحیت رکھتے اور لیے ہوئے قرضہ کو بہتر اور مفید طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر جن کے متعلق اسے پورا اعتماد ہوگا کہ وہ قرض کی اصل رقم بھی ضرور واپس کریں گے اور منافع کا طے شدہ حصّہ بھی ضرور ادا کریں گے بلکہ اس نئے بنک کے لیے یہ بھی طے پایا ہے کہ وہ اپنے مقروض کاروباری لوگوں کے کاروبار پر برابر نگاہ رکھے گا اور اپنے نمائندوں کے ذریعے مسلسل جائزہ لیتا اور حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرتا رہے گا بلکہ وہ اس میں ہر ایسی مداخلت کا مجاز ہوگا، جس سے اصل سرمائے کے کامل تحفّظ کے ساتھ مطلوبہ منافع کا حصول یقینی ہو سکتا ہو۔ بنا بریں اس نئے مجوّزہ نظام بنکاری میں بنک کے مفاد کے لیے جو قانونی تحفظات ہیں وہ اُن سے کہیں زیادہ ہیں جو موجودہ نظام مفاد بنک کے لیے ہیں، اسی طرح یہ بھی طے ہے کہ نئے نظام بنکاری میں اپنے مقروض کاروباری فریق کے متعلق کوئی ایسی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا جس سے اس کے اصل مال اور مطلوبہ منافع میں کمی و نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہو، اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس نئے نظام میں بھی بنک کے لیے قرض دار کی طرف سے نفع کے نام پر جو زائد لینا قرار پایا ہے، اُس کے عوض بنک کی طرف سے کوئی ایسا کام و عمل موجود نہیں جسے پیدا آور کام و عمل کہا جا سکتا ہو، بنک کا عملہ جو کام کرتا ہے وہ ایسا پیدا آور کام نہیں ہوتا جیسا کہ ایک کاشت کار، صانع اور تاجر وغیرہ کا کام ہوتا ہے۔

سطور بالا میں نئے مجوّزہ نظام بنکاری کی جو تفصیل پیش کی گئی، اُس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اس نظام میں بنک کے معاملہ کی جو شکل کھاتہ داروں کے ساتھ اور جو شکل

کاروباری قرض داروں کے ساتھ تجویز کی گئی ہے۔ وہ نہ شرعی طور پر مضاربت کی شکل ہے اور نہ معاملۂ شرکت کی شکل، یعنی نہ مضاربت کی تعریف میں آتی ہے اور نہ شرکت کی تعریف میں، جن وجوہ کی بنا پر معاملۂ مضاربت کی تعریف میں نہیں آتی، ان میں سے ایک یہ کہ اس میں بنک کھاتہ دار سے جو مال لیتا اور کاروباری فریق کو جو مال دیتا ہے، اس کی حیثیت واجب الادا قرض کی ہے جبکہ مضاربت میں ایک فریق کا مال دوسرے فریق یعنی عامل مضارب کے پاس بطور امانت کے ہوتا ہے، شریعت کی رو سے قرض اور امانت کے درمیان جو وجوہ فرق ہیں اُن میں سے ایک یہ کہ قرض میں مال، مقرض کی ملکیت سے نکل کر مقروض کی ملکیت میں چلا جاتا ہے چنانچہ وہ اُس میں ہر وہ تصرف کر سکتا ہے جو اپنے کسی دوسرے مال میں کر سکتا ہے جبکہ امانت کی صورت میں مال، مال والے ہی کی ملکیت میں رہتا اور امین اس میں کوئی ایسا تصرف نہیں کر سکتا جس کی مالک کی طرف سے اجازت نہ ہو، دوسری وجہ یہ کہ اگر قرض کا مال کسی سبب سے ضائع اور تلف ہو جائے تو وہ مقروض کے حق میں ضائع و تلف ہوتا اور اس کا پورا نقصان تنہا اُسے اُٹھانا پڑتا ہے۔ مُقرض اس نقصان میں بالکل شریک نہیں ہوتا جبکہ اس کے برخلاف مال امانت اگر محافظ امانت کے پاس کسی غیر اختیاری سبب مثلاً ارضی و سماوی آفت وغیرہ سے تلف اور ضائع ہو جائے تو اس کا ضمان و تاوان محافظ امانت پر نہیں آتا بلکہ پورا نقصان مالک امانت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اسی کی ملکیت میں ہوتا ہے۔

اور چونکہ مضاربت میں مال مضاربت، عامل مضارب کے پاس بطور امانت ہوتا ہے لہٰذا اصل مال میں نقصان ہو جائے تو وہ نقصان پورے کا پورا ربّ المال کے حساب میں آتا ہے عامل مضارب اس میں شریک نہیں ہوتا، پھر یہی وجہ ہے کہ عامل مضارب اپنے تصرفات میں اُن شرائط کا پابند ہوتا ہے جو ربّ المال کی طرف سے انعقاد معاملہ کے وقت مقرر کی گئی ہوتی ہیں۔

رہی یہ بات کہ بنک کے پاس کھاتہ دار کا اور کاروباری فریق کے پاس بنک کا جو مال ہوتا ہے، بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض ہوتا ہے۔ اس کا بیّن اور قطعی ثبوت یہ کہ یہ مال بنک کے ذمے کھاتہ دار کے لیے اور کاروباری فریق کے ذمے بنک کے لیے پورے کا پورا واجب الادا ہوتا ہے جو عند الطلب اُسے ضرور ادا کرنا پڑتا

ہے اور جو مال، لینے والے پر دینے والے کے لیے پورے کا پورا واجب الادا ہوتا ہے، وہ عرفاً شرعاً، قانوناً قرض ہی کی تعریف میں آتا اور اس کا نام خواہ کچھ بھی رکھا جائے، وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے قرض ہوتا ہے، ایسا مال امانت کی تعریف میں اس لیے نہیں آتا کہ امانت کا مال اُس صورت میں واجب الادا نہیں ہوتا جب کسی غیر اختیاری سبب سے ضائع و تلف ہو جائے حالانکہ قرض کا مال بہر صورت واجب الادا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں امانت کی حفاظت پر امانت والا، محافظ کو اپنے پاس سے کچھ دیتا ہے نہ کہ اُلٹا اس سے کچھ لیتا ہے، اسی طرح یہ مال، مال اجارہ کی تعریف میں بھی نہیں آتا کیونکہ مال اجارہ صرف وہ مال ہو سکتا ہے جو استعمال ہونے سے گھستا اور فرسودہ ہوتا اور قدر و قیمت میں گھٹتا ہے اور ظاہر ہے کہ محض استعمال ہونے سے زر و نقدی کی قدر و قیمت میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی لہٰذا اُس کے استعمال پر کوئی کرایہ وصول نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری چیز جس کی وجہ سے بنک کا معاملہ مذکور مضاربت کی تعریف میں نہیں آتا یہ کہ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ بنک اپنے کھاتہ دار کو اور کاروباری فریق بنک کو نہ صرف یہ کہ اس کی اصل رقم ضرور ادا کرے گا بلکہ اصل پر کچھ زائد بھی ضرور ادا کرے گا۔ حالانکہ مضاربت میں عامل مضارب، ربّ المال سے ایسا کوئی عہد و پیمان نہیں کر سکتا کہ معاملہ ختم ہونے پر وہ اُس کو پورے اصل کے ساتھ کچھ زائد بھی ضرور دے گا ورنہ تو پھر ربوٰا اور مضاربت کے درمیان کچھ فرق ہی باقی نہیں رہتا۔

تیسری چیز جو بنک کے معاملۂ مذکورہ کو مضاربت کی تعریف سے خارج کر دیتی ہے یہ کہ اس میں بنک کی طرف سے کھاتہ دار کے لیے اور بنک سے قرض لینے والے کاروباری فریق کی طرف سے بنک کے لیے نفع کے نام سے جو زائد مقرر کیا گیا ہے وہ مال اور وقت کی مقدار و کمیت کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے اس کی تفصیل گزر چکی یعنی اس میں زائد کے تعین کا معیار مال اور مدت کی مقدار اور کمی بیشی کو ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ مضاربت میں یہ طے پاتا ہے کہ اگر نفع ہوا تو اس صورت میں وہ ربّ المال اور مضارب کے مابین نسبتی حصّے سے تقسیم ہوگا مثلاً نصف نصف یا ایک کو تہائی اور دوسرے کو دو تہائی یا ایک کو چوتھائی اور دوسرے کو تین چوتھائی وغیرہ۔ اس میں کسی فریق کے لیے تعداد و مقدار کے لحاظ سے متعین رقم مقرر کرنا جائز نہیں ہوتا اور ایسا کرنے سے معاملہ فاسد و باطل ہو جاتا

ہے، اور چونکہ مضاربت میں مال والے فریق کے لیے نفع کا تعین مال کی مقدار اور مدّت کی مقدار سے نہیں ہوتا بلکہ نفع کے ایک مقررہ نسبتی حصّہ کے اعتبار سے ہوتا ہے لہذا بعض دفعہ کم مقدار کے مال پر تھوڑے وقت میں اُسے اتنا زیادہ نفع مل جاتا ہے کہ دوسری دفعہ اس سے کئی گنا زیادہ مال پر اور طویل وقت میں بھی اتنا نہیں ملتا اور بعض دفعہ سرے سے کچھ ملتا ہی نہیں اور کبھی زیادہ تو درکنار اُلٹا اصل میں نقصان اُٹھانا پڑتا ہے ۔ مثلاً کبھی ربّ المال کو ایک ہزار روپے پر ایک ماہ میں اتنا زائد مل جاتا ہے کہ دوسری دفعہ دس ہزار روپے پر ایک سال میں بھی اتنا نہیں ملتا۔ چنانچہ یہ زائد نفع کبھی اصل مال کا ایک فیصد بھی ہوسکتا ہے، کبھی پانچ فیصد اور کبھی پچاس فی صد بھی ہوسکتا ہے اور یہ ایک ہفتہ میں بھی ہوسکتا ہے اور ایک ماہ اور ایک سال میں بھی، فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر مضاربت میں نسبتی حصّہ کی بجائے ربّ المال کے لیے اُس کے سرمائے کے فیصد وغیرہ کے لحاظ سے متعیّن رقم مقرّر کر دی جائے تو یہ مضاربت باطل ہو جاتی ہے۔

چوتھی چیز جو معاملۂ زیرِ بحث کے مضاربت ہونے کی نفی کرتی ہے یہ کہ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ کاروبار کے اندر نقصان کی صورت میں کاروباری فریق بھی نقصان میں شریک ہوگا حالانکہ مضاربت میں یہ متفقہ امر ہے کہ بصورت خسارہ و نقصان، پورا خسارہ اور تمام تر نقصان ربّ المال یعنی مال والے فریق کو برداشت کرنا پڑتا ہے عامل مضارب یعنی کام کرنے والا فریق اس میں بالکل شریک نہیں ہوتا چنانچہ اگر اس کو اس میں شریک ٹھہرایا جائے تو مضاربت باطل اور فاسد ہو جاتی ہے۔

پانچویں چیز جس کی وجہ سے معاملۂ مذکور، مضاربت کا مصداق نہیں ٹھہرتا یہ کہ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ کھاتہ دار کو دورانِ معاملہ ہر چھ ماہ کے بعد مقررہ منافع دیا جاتا رہے گا۔ جبکہ فقہاء حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مضاربت میں فریقین کے درمیان منافع کی تقسیم اختتامِ معاملہ پر ہی ہوسکتی ہے۔ معاملہ قائم اور جاری رہتے ہوئے درمیان میں نہیں ہوسکتی۔

ان مذکورہ وجوہ کے علاوہ کچھ اور وجوہ بھی ہیں جن کی بناء پر معاملۂ زیرِ بحث، مضاربت صحیحہ کی تعریف میں نہیں آتا جیسے مالِ مضاربت کو تجارت بمعنے خرید و فروخت کے علاوہ صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ میں لگانا، ربّ المال کی اجازت کے

بغیر اُس کے سرمائے کے ساتھ اپنا سرمایہ بھی شریک کر لینا یا دوسرے کسی کو مضاربت پر دے دینا، عامل مضارب کا خرید و فروخت کا اصل کام خود کرنے کی بجائے کسی اور سے اُجرت پر کرانا وغیرہ لیکن چونکہ ان وجوہ کے متعلق خود فقہاء کرام کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے لہٰذا انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسی طرح معاملۂ مذکور شرکت کا معاملہ بھی نہیں، شرکت اور مضاربت کے مابین شرعی طور پر جو بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ مضاربت میں ایک فریق کا مال ہوتا ہے اور دوسرے فریق کا تجارتی کام و عمل، جبکہ شرکت الاموال میں ہر فریق کا مال بھی ہوتا ہے اور کام و عمل بھی، اور دوسرا فرق یہ کہ نقصان کی صورت میں مضاربت کے اندر پورا نقصان مال والے فریق کو برداشت کرنا پڑتا ہے کام و عمل والا فریق اس میں شریک نہیں ہوتا جبکہ معاملۂ شرکت میں دونوں فریق نقصان میں بھی شریک اور حصہ دار ہوتے ہیں۔

جن وجوہ کی بناء پر بنک کا وہ معاملہ جس کی پہلے تفصیل کے ساتھ شکل پیش کی گئی شرکت کا معاملہ نہیں۔ اُن میں سے پہلی وجہ یہ کہ اس میں ایک فریق کا نہ تجارتی کام و عمل ہے اور نہ صنعتی کام و عمل، یعنی کھاتے دار کا سرے سے کوئی کام و عمل ہے ہی نہیں۔ جہاں تک بنک کا تعلق ہے، اس کے اسٹاف اور عملے کا ضرور کام و عمل ہے لیکن وہ انتظامی نوعیت کا ہے براہِ راست تجارتی اور صنعتی کام و عمل نہیں، تجارتی اور صنعتی کام و عمل صرف اُن لوگوں کا ہے جو بنک سے مال قرض لے کر تجارتی اور صنعتی کاروبار کرتے ہیں۔

دوسری وجہ اس معاملے کے شرکت کا معاملہ نہ ہونے کی یہ کہ اس میں ایک فریق کا مال دوسرے کے پاس بطور قرض ہوتا ہے۔ جبکہ معاملۂ شرکت میں کسی شریک کا مال دوسرے کے پاس قرض نہیں ہوتا بلکہ امانت کی طرح ہوتا ہے چنانچہ ضائع و تلف ہو جانے کی صورت میں کسی پر تاوان نہیں آتا۔

تیسری وجہ یہ کہ اس میں ایک فریق یعنی بنک کھاتہ دار کو اور کاروباری فریق بنک کو یقین اور اطمینان دلاتا اور ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ ایک متعین مقدار میں اُس کو نفع ضرور مہیا کرے گا۔ حالانکہ معاملۂ شرکت میں کوئی شریک دوسرے شریک کو کوئی ایسی ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ اسے ایک متعین مقدار میں نفع ضرور مہیا کرے گا۔

چوتھی وجہ اس کے شرکت نہ ہونے کی یہ کہ اس میں ایک فریق کے لیے یہ طے کیا گیا ہے کہ اس کو اس کے سرمائے کے فی صد کے حساب سے سالانہ آٹھ یا دس فی صد زائد بطور نفع ملے گا۔ جبکہ معاملۂ شرکت میں یہ طے ہوتا ہے کہ اگر نفع ہوا تو شرکاء کے مابین اُس نسبتی حصّہ کے مطابق تقسیم ہوگا جو شروع میں ان کے درمیان باہمی رضامندی سے طے پایا تھا یعنی نصف نصف یا ایک تہائی اور دو تہائی وغیرہ وغیرہ۔ مطلب یہ کہ یہ چیز شرکت کے منافی ہے کہ اس میں ایک شریک کے لیے اس کے سرمائے کی مقدار کے لحاظ سے اور وقت کے پیمانے سے نفع کا تعین کیا جائے۔

بہر حال فقہاءِ اسلام کے نزدیک شرکتہ العقد اور شرکتہ المعاملہ کی جو معنوی حقیقت اور اصطلاحی تعریف ہے اس کی رُو سے بنک کا معاملۂ مذکور شرکت کے تحت نہیں آتا۔ نہ شرکت اموال کے تحت اور نہ شرکت وجوہ اور شرکت ابدان و شرکتہ الصنائع کے تحت، اسی طرح نہ وہ شرکتہ العنان کا مصداق ہے اور نہ شرکتہ المفاوضہ کا مصداق، لہٰذا اس معاملے کو نفع و نقصان میں شرکت کا معاملہ کہنا، لغتہً درست ہو تو ہو لیکن شرعًا کسی طرح درست نہیں۔ اور پھر چونکہ اس کہنے سے ایک عام مسلمان کو جو شرکت کا شرعی مفہوم نہیں جانتا شرکت کا دھوکہ لگتا اور وہ اُسے شرعی شرکت سمجھ کر اختیار کرتا اور گمراہی کا شکار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس معاملے کو شرکت کے لفظ سے ہرگز موسوم اور تعبیر نہیں کرنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں ایک چیز یہ بھی واضح رہے کہ ادارۂ بنک کو اپنے کھاتہ داروں کا نائب اور وکیل تجارت سمجھنا بھی درست نہیں کیونکہ بنک کا ادارہ اپنا ایک مستقل قانونی وجود رکھتا ہے جس کے اپنے اصول و ضوابط اور قواعد و قوانین ہیں جن کے مطابق وہ اپنے امور و معاملات طے کرتا اور اپنی گاڑی چلاتا ہے۔ وہ کھاتہ داروں کی مرضی کا پابند نہیں بلکہ کھاتے دار اس کی مرضی کے پابند ہوتے ہیں، اور پھر بنک کی بجائے خود اپنی بھی ایک مستحکم مالی پوزیشن ہوتی ہے لہٰذا وہ کسی طرح اُس شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جو تجارت میں کسی کا نائب اور وکیل ہوتا ہے۔

کتبِ فقہ میں نیابت و وکالت کی حقیقت اور اس کے ارکان و شرائط وغیرہ کے متعلق جو تفصیل ہے اُس کے مطابق بنک کا یہ ادارۂ نائب اور وکیل کی تعریف

میں نہیں آتا، مثلاً ایک وجہ یہ کہ تجارت میں نائب اور وکیل کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ قرض کے طور پر نہیں بلکہ امانت اور ودیعت کے طور پر ہوتا ہے جبکہ بنک کے پاس کھاتہ دار کا مال بطور قرض ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ تجارت میں جو کسی کا نائب اور وکیل ہوتا ہے، وہ اپنے تصرفات میں اُس کی ہدایت اور مرضی کا پابند ہوتا ہے، جو اسے اپنا نائب اور وکیل مقرر کرتا ہے۔ جبکہ بنک اپنے کھاتہ دار کی ہدایت اور مرضی کا پابند نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی مرضی اور اپنے اصول و قواعد کا پابند ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث یہ کہ نئے مجوّزہ نظام بنکاری میں بنک کا جو معاملہ اپنے کھاتہ داروں کے ساتھ یا جو معاملہ اپنے کاروباری قرض داروں کے ساتھ تجویز کیا گیا ہے نہ شرعی طور پر مضاربت کا معاملہ ہے اور نہ شرکت کا معاملہ، بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اپنے اجزاءِ ترکیبی اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربوٰ ہی کا معاملہ ہے لہٰذا اس معاملے کی بنیاد پر استوار کیا ہوا نظام بنکاری ہرگز اسلامی نظام بنکاری نہیں ہو سکتا۔ اسے اسلامی نظام بنکاری کہنا اسلام کو بدنام کرنا اور اس کے تقدس کو نقصان پہنچانا ہے۔

حضرات علماءِ کرام کی اطلاع کے لیے یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس نئے متبادل نظام بنکاری میں علاوہ اُس معاملہ کے جس پر تفصیل سے بحث کی گئی بنک کے لیے سرمایہ کاری کے چند اور طریقے اور معاملے بھی تجویز کیے گئے ہیں جن کی تفصیل بلاسود بنکاری سے متعلق رپورٹ میں پیش کی گئی ہے اور جن کے مطابق آئندہ یہ بنک سرمایہ کاری کرے گا جیسے پٹہ داری، نیلام کاری، بیع مؤجل، ملکیتی کرایہ داری وغیرہ کے طریقے، ان میں سے کچھ کے متعلق خود ان مجوّزین حضرات نے لکھا ہے کہ یہ غیر مسلم مغربی ماہرین اقتصادیات کے تجویز کردہ ہیں اور فرانس، جرمنی اور جاپان وغیرہ میں ان طریقوں پر عمل درآمد بھی ہو چکا ہے لیکن چونکہ ہمارے نزدیک سرمایہ کاری کے یہ طریقے شریعتِ اسلامی کے خلاف نہیں لہٰذا مجوّزہ اسلامی نظام بنکاری میں اُن سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

سرمایہ کاری کے ان طریقوں کے بارے میں جہاں تک میرے مطالعے، تجزیے اور تحقیقی جائزے کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں ان میں سے ہر طریقہ اپنے اندر ربوٰ و سود کا عنصر لیے ہوئے ہے لہٰذا غیر اسلامی اور ناجائز طریقہ ہے، ان کو شریعت اسلامی کے مطابق کہنا دراصل اُس غلط فہمی پر مبنی ہے جو ہمارے ماہرینِ اقتصادیات

کے ذہنوں میں ربوٰ و سود کے متعلق پائی جاتی ہے، سرمایہ کاری کے یہ طریقے درحقیقت ان لوگوں کے دماغ کی پیداوار ہیں جو نظام سرمایہ داری کو صحیح اور سود اور بالخصوص تجارتی نوعیت کے قرضوں پر سود کو اصولاً جائز سمجھتے ہیں اور سرمایہ کاری کے یہ طریقے انہوں نے سود سے بچنے کے لیے نہیں بلکہ مجوّزہ شرح سے کچھ زیادہ حاصل کرنے کے لیے ایجاد کیے ہیں۔

اسلام نے جس معاشی ظلم و حق تلفی کی وجہ سے ربوٰ کو حرام قرار دیا ہے سرمایہ کاری کے ان طریقوں میں اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا، غور سے دیکھا جائے تو ان کے اندر وہ قرض موجود ہے جو نفع کو کھینچتا ہے، اور ان کی موجودگی میں وہ معاشی حالات معاشرے میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتے جو اسلام اپنی معاشی تعلیمات کے ذریعے پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً اسلام یہ چاہتا ہے کہ قومی ثروت صرف چند اغنیاء و مالداروں کے درمیان ہی نہیں بلکہ قوم کے تمام افراد کے درمیان گردش کرے اور یہ کہ ملکی وسائلِ دولت اور ذرائع پیداوار پر ایک محدود طبقے کی اجارہ داری قائم نہ ہو۔ بلکہ سب کے لیے اُن سے فائدہ اُٹھانے کا آزاد موقع ہو، اور یہ کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی شکل میں بنیادی معاشی ضروریات بھی میسّر ہوں اور ہر ایک کے لیے معاشی ترقی کا بھی آزاد اور مساوی موقع ہو آگے اس کی مرضی کہ وہ اس سے فائدہ اُٹھائے یا نہ اُٹھائے۔ جبکہ سرمایہ کاری کے مذکورہ طریقے ایسے ہیں کہ ان پر جس معاشرے میں عام طور پر عمل ہو اس کے اندر قومی دولت اور وسائلِ دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹنا اور ذرائع پیداوار پر چند لوگوں کی اجارہ داری قائم ہونا لازمی اور قدرتی امر ہے۔ اسی طرح ایسے معاشرے میں ایسا غیر فطری قسم کا معاشی عدمِ توازن ظہور میں آنا ایک فطری بات ہے جس سے گوناگوں برائیاں جنم لیتی اور پورے معاشرے کو بدامنی و بے چینی میں مبتلا کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اور وہ پائدار امن و سکون کسی کو نصیب نہیں ہوتا جو اسلام چاہتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ چونکہ اس پر تقریباً تمام مکاتبِ فکر کے علماءِ کرام کا اتفاق ہے کہ شریعتِ اسلام کا حقیقی ماخذ اور اصل سرچشمہ قرآن و حدیث اور کتاب و سنّت ہیں۔ اور یہ کہ زندگی کے ہر مسئلہ کے لیے قرآن و حدیث

(بقیہ صـ ۸۶ پر)

قتلِ خطأ میں

عورت کی نصف دیت کا مسئلہ

محترم مجیب الرحمٰن شامی ایک معروف اہلِ قلم ہیں۔ ذہنی و فکری طور پر اُن کا تعلق ملک ہی کی ایک معروف نیم دینی و نیم سیاسی جماعت سے ہے۔ کئی جرائد کے مدیرِ اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ فی الوقت ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور سے نکال رہے ہیں نیز معاصر عزیز "نوائے وقت" میں "جلسۂ عام" کے عنوان سے ایک مستقل کالم بھی لکھ رہے ہیں جس میں طنز و مزاح کا عنصر غالب رہتا ہے۔ اکتوبر کے اواخر میں موصوف نے اسی کالم میں قتلِ خطاء کی صورت میں محترم ڈاکٹر صاحب کی رائے پر (جو سنّت سے ماخوذ ہے) اسی انداز سے اختلافی تبصرہ کیا تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے موصوف کو اس کا جواب براہِ راست بھیج دیا تھا۔ یہ جواب دو پیراگراف حذف کر کے "نوائے وقت" میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ اب اسے من و عن قارئینِ "میثاق" کے استفادہ کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ حذف شدہ پیراگرافوں پر بریکٹ لگا دیے گئے ہیں۔ (ادارہ)

برادرم مجیب الرحمٰن شامی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ نے چند روز قبل بھی میرا ذکر اپنے کالم میں کیا تھا اور آج پھر کرم فرمائی کی ہے۔ اس ضمن میں جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مجھے ہرگز اعتراض نہیں ہے کہ آپ اسے اپنے ذوقِ طبع کی تسکین کی خاطر یا مروّجہ صحافت کی ضرورت کے طور پر ہدفِ طنز و طعن بنائیں بلکہ اس ضمن میں اگر کوئی زیادتی آپ نے اب تک کی ہے تو میں اسے بھی معاف کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے بھی پیشگی اجازت دیتا ہوں کہ آپ جیسے چاہیں

مشقِ ستم فرمائیں ــــ لیکن خدارا دین وشریعت کے ایک اہم مسئلے کو اس تمسخر واستہزاء کی لپیٹ میں نہ لیں۔ اِس لیے کہ یہ ع " بازی بازی بارلیش بابا ہم بازی" والا طرزِ عمل آخرت کے خسران اور عاقبت کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے۔ اللہ مجھے اور آپ کو اِس سے بچائے۔ آمین۔

واقعہ یہ ہے کہ میں جس طرح عملی یا انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہوں اسی طرح خدمتِ دین کے وسیع وعریض میدان میں بھی فروعی مسائل اور فقہی اختلافات کے دائرے میں بالکل دخل نہیں دیتا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، اور یہ بھی ہے کہ میرے نزدیک فی الوقت ان مسائل میں اُلجھنا دین کے لیے بجائے مفید ہونے کے اُلٹا مُضر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں بحیثیتِ مجموعی دین پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ ہی مضمحل ہے، لہٰذا اصل ضرورت اس ارادے کی تقویت کی ہے۔ چنانچہ الحمد للہ کہ میری تمام جدّوجہد اسی نکتے پر مرکوز رہی ہے ــــ یعنی قرآنِ حکیم کی اُن اساسی تعلیمات کی نشرواشاعت جن سے ایمان ویقین میں اضافہ ہو اور دین کو پہلے خود اپنی زندگیوں، پھر اپنے وطنِ عزیز اور بالآخر پورے کرۂ ارضی پر غالب کرنے کی جدوجہد کا عزم اور ارادہ پیدا ہو۔

چنانچہ دو ڈھائی سال قبل پردے وغیرہ سے متعلق جو ہنگامہ میرے حوالے سے ہُوا تھا اُس کا آغاز بھی میں نے اپنی کسی اسکیم یا منصوبے کے تحت نہیں کیا تھا بلکہ وہ بھی ایک سابق رفیق اور ہمسفر کی "کرم فرمائی" تھی۔ البتہ جب بحث چل نکلی تو میں نے اپنے فہم کے مطابق دینی موقف کو ڈٹ کر پیش کیا تھا ــــ پھر عورت کی شہادت سے متعلق بحث زور وشور سے چلی، لیکن میں نے اس میں قطعاً کوئی حصّہ نہیں لیا ــــ اسی طرح جب سے قتلِ خطاء میں عورت کی دیت سے متعلق بحث چھڑی ہے، میں نے اس میں بھی قطعاً کوئی حِصّہ نہیں لیا، نہ تحریراً نہ تقریراً، اس لیے بھی کہ جیسے کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ میرا میدان نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ یہ مسئلہ مجھ سے کہیں بڑھ کر اہل تر ہاتھوں میں تھا۔ چنانچہ جماعتِ اسلامی کے اہلِ علم وعقل وضاحت کر چکے تھے اور اہلِ حدیث، دیوبندی اور بریلوی ہر مکتبِ فکر کے علماء کرام نے بھی اس کا حق ادا کر دیا تھا ــــ البتہ چونکہ مجھے ہر ہفتے اجتماعِ جمعہ

کی صورت میں ایک 'جلسۂ عام' میں پیش ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا جو مسائل فضا میں گردش کر رہے ہوں، ان سے بالکل صرفِ نظر ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک خطابِ جمعہ میں مَیں نے اِس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ــــ اور میرے ایک بزرگ رفیق نے اس کا کچھ حصّہ ٹیپ سے اُتار کر اور آغاز و اختتام کے لیے اِدھر اُدھر چند جملوں کا اضافہ کر کے بغرضِ اشاعت اخبارات کو ارسال کر دیا۔ گویا یہ ہے میرے اس موضوع پر 'بولنے' یا 'نہ بولنے' کا معاملہ!!

اب آئیے اصل مسئلے کی جانب ۔

اس ضمن میں جہاں تک 'عقل' کا تعلق ہے ، یہ تو آپ بھی مانتے ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ جنسِ گرانمایہ برٹرینڈ رسل اور اس کے قبیل کے بے شمار لوگوں کو میرے اور آپ کے مقابلے میں بہت زیادہ دی تھی لیکن جس طرح حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مال و اسبابِ دنیوی کے بارے میں فرمایا ہے کہ" مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى ،، یعنی "جو کم ہو لیکن ضرورت پوری کر دے وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ تو ہو، لیکن غافل کر دے !" اُسی طرح اُس ٹنوں عقل کے مقابلے میں جو خدا کو پہچاننے سے قاصر رہ جائے ہماری وہ تولہ یا ماشہ بھر عقل بہتر ہے جو اللہ کو پہچانتی اور مانتی ہے۔ اقبال نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا کہ ؎

بر عقلِ فلک پیما ترکانہ شبیخوں بہ ! یک ذرّہ دردِ دل از علمِ فلاطوں بہ!!

ثانیاً ـــــ شریعت کا دار و مدار اصلاً 'عقل' پر نہیں "نقل" پر ہے اس لیے کہ اس میں حجّتِ اوّل کی حیثیت حاصل ہے کلامِ ربّانی کو جو اللہ سے بذریعہ جبرئیلؑ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو "منتقل" ہُوا ـــ پھر حُجّتِ ثانی کی حیثیت حاصل ہے سنّتِ رسولؐ کو جو اوّلاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعے اور بعد ازاں نسلاً بعد نسلٍ اُمّت کے تواترِ عمل اور تدوین و اشاعتِ حدیثِ رسولؐ کے ذریعے "منتقل " ہوتی آرہی ہے۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھنے والی عقل کا اصل کام اس میدان میں یہ ہے، کہ احکامِ شریعت کے اسرار و حِکَم کو سمجھنے کی کوشش کرے ۔جہاں وہ سمجھ میں آجائیں اللہ کا شکر ادا کرے اور جہاں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے، وہاں بھی " سمعنا و اطعنا " کا طرزِ عمل اختیار کرے ــ اس کے برعکس اگر 'عقل' شریعت پر 'حاکم' بننے کی کوشش کرے گی تو سخت ٹھوکر کھائے گی اور اوندھے منہ گِر کر رہے گی۔ اس قسم کے عقلیت پرست

یا عقل گزیدہ لوگوں کی ہمارے یہاں متعدد قسمیں پائی جاتی ہیں ـــــ چنانچہ ہمارے درمیان کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو 'اجتہاد' کا کوئی راستہ قرآن سے بھی بالا بالا اپنانا چاہتے ہیں (جس زمانے میں عورت کی شہادت کے مسئلے پر زور شور سے بحث ہو رہی تھی ایک انگریزی اخبار میں کسی مراسلہ نگار کا مراسلہ شائع ہوا تھا کہ ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ قرآن واقعتہً عورت کو مرد کے مقابلے میں ثانوی درجہ دیتا ہے لہٰذا ہمیں اجتہاد کے لیے ایسے اصول تلاش کرنے ہوں گے جو قرآن سے بھی بالاتر ہوں!) پھر ایسے لوگ تو کثیر تعداد میں موجود ہیں جو سنتِ رسولؐ کو دائمی حجت نہیں مانتے بلکہ اس سے بے نیاز اور آزاد ہو کر براہِ راست قرآن سے استنباط کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی عقلی جولانیوں کی ظاہر ہے کوئی حد نہیں ہے بلکہ "بے حیا باش ہر چہ خواہی کن" کے مصداق انہیں کلی اختیار حاصل ہے جو چاہیں کہہ دیں! ـــــ تماشا یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں وہ بھی شامل ہیں جو اس شخصیت سے نسبت پر فخر کرتے ہیں جس کا قول یہ ہے کہ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است!!

ثالثاً ـــــ اہلِ سنّت کے نزدیک سنتِ رسولؐ کے ساتھ ساتھ اور اس سے بالکل ملحق دو چیزیں اور بھی ہیں: ایک حدیثِ نبویؐ "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ" کی رُو سے تعاملِ صحابہؓ اور دوسرے حدیثِ نبویؐ "عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ" کے مطابق خلفاءِ راشدین کا طرزِ عمل ـــــ اور اس کے بعد حجتِ شرعی کی حیثیت حاصل ہے 'اجماعِ اُمّت' کو جسے قرآن مجید نے "سَبِیْلُ الْمُؤْمِنِیْنَ" سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس ضمن میں اجماع سے متعلق فنّی بحثوں سے قطع نظر اہلِ سنّت کے نزدیک تو کسی مسئلے میں ائمہ اربعہ کا اجماع و اتفاق بجائے خود دلیل و حجتِ قطعی کا درجہ رکھتا ہے ـــــ اس سے بھی آگے بڑھ کر جن مسائل میں اہلِ سنّت کے چاروں مسلکوں کے ساتھ ساتھ اہلِ تشیع کی زیدی اور جعفری دونوں فقہیں ـــــ اور اہلِ ظاہر کے اہم مسالک بھی متفق ہو جائیں اُن کے شریعتِ اسلامی کے جزو لاینفک ہونے پر تو کوئی ایسا شخص ہی کلام کر سکتا ہے جس میں دین کے اتباع کا نہیں بلکہ اُس سے بغاوت کا جذبہ کارفرما ہو۔ اس لیے کہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اُس کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے ناموَر تلامذہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ،

امام احمد بن حنبلؒ، اور امام جعفر صادقؒ سب یا تو نصوص دینی کا صحیح علم نہیں رکھتے تھے یا پھر دین کے مقاصد و مصالح کے صحیح فہم سے قاصر تھے۔ اور یہ بات یا کوئی فاتر العقل کہہ سکتا ہے یا دین کا باغی ــــ البتہ اُن حضرات کے مابین کسی مسئلہ میں دو رائیں پائی جائیں تو کسی دوسرے کے لیے کچھ کہنے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔

فقہی معاملات میں عقل و نقل کے عمل دخل کے دائروں کے ضمن میں ایک دلچسپ مکالمہ امام ابو حنیفہؒ اور امام جعفر صادقؒ کا منقول ہے۔ ایک ملاقات میں امام جعفر صادقؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے خفگی کے ساتھ فرمایا "ہم نے سُنا ہے کہ آپ ہمارے نانا کی احادیث پر اپنے عقلی قیاس کو مقدم رکھتے ہیں!" اس پر امام ابو حنیفہؒ نے جو "یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی" کے سے انداز میں فرمایا "اگر میں عقل سے فیصلہ کرتا تو وراثت میں بیٹی کو بیٹے سے دوگنا حصہ دلاتا کہ وہ صنفِ ضعیف ہے ــــ اور عورت کے ایام کی نمازوں کی قضا کو واجب قرار دیتا نہ کہ روزے کی قضا کو، اس لیے کہ نماز روزے سے اہم تر ہے۔"

قتلِ خطاء کی صورت میں عورت کی دیت کے مرد کے مساوی یا نصف ہونے کے مسئلے میں متذکرہ بالا دینی حجتوں کا جائزہ لیا جائے تو جو صورتِ حال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے:-

(۱) قرآنِ مجید میں اس مسئلے پر کوئی صراحت تو موجود نہیں لیکن اگر کوئی شخص قرآن کے قانونِ شہادت اور قانونِ وراثت کو اس معاملے میں دلالۃ النص یا اشارۃ النص کے درجے میں پیش کرے تو اس سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) حدیثِ نبویؐ کے ضمن میں بھی کوئی درجۂ اوّل کی مستند حدیث تو اس معاملے میں موجود نہیں تاہم ایک حدیث موجود ہے جسے عورت کے دیت کے نصف ہونے کے حامی حضرات نے بار بار پیش فرمایا ہے جسے فریقِ ثانی ضعیف قرار دے رہا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں اُس فریقِ ثانی کے پاس اپنے موقف کے حق میں کوئی ضعیف تو کیا موضوع حدیث بھی موجود نہیں۔

(۳) اِس کے بعد اجماع کو لیجئے ــــ تو یہاں معاملہ حد درجہ فیصلہ کُن ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، جعفری۔ الغرض تمام مسلکوں کا متفق علیہ اور مجمع علیہ فیصلہ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں نصف ہونے کے حق میں ہے! ــــ صرف ایک دو

شاذ رائیں برابری کے حق میں ہیں، جن کی اُن جملہ مسالک کے اتفاق و اجماع کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ !

اب ذرا عقلی اعتبار سے بھی جائزہ لے لیں۔

(۱) خالص عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو قتلِ خطاء کا کوئی تاوان قاتل کے ذمے آنا ہی نہیں چاہیئے۔ اس لیے کہ اس فعل میں اُس کے کسی ارادے کا دخل نہیں ہے

(۲) شریعت نے اس کے باوجود قاتل یا اُس کی برادری پر تاوان ڈالا — تو اس میں دو حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں :- (ا) یہ کہ اس سے دوسروں میں احتیاط کا مادّہ پیدا ہوگا۔ اس کے برعکس اگر قتلِ خطاء میں قاتل یا اُس کی برادری پر کوئی تاوان نہ ہو تو لوگوں میں بے پروائی اور بے احتیاطی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے — اور (ب) اس سے مقتول یا مقتولہ کے ورثاء کے نقصان کی کسی درجے میں تلافی ہو جائے گی۔

اس نقصان کے ضمن میں بھی یہ بات تو بالکل ظاہر و باہر ہے کہ مقتول یا مقتولہ کے ورثاء اور اعزّہ و اقارب کو جو ذہنی اور جذباتی صدمہ پہنچتا ہے اُس کی تلافی کی تو کوئی صورت کسی درجے میں بھی ممکن نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوشش مالی نقصان ہی کی تلافی کی ہو سکتی ہے — اور اس کے سلسلے میں جب کوئی قانون بنایا جائے گا تو ایک عام اور اوسط درجے کے معاملے کو سامنے رکھ کر بنایا جائے گا نہ کہ شاذ اور استثنائی صورتوں کو سامنے رکھ کر۔ مثلاً یہ ہو سکتا ہے کہ مقتول کوئی بوڑھا اور مریض انسان ہو جو اپنے ورثاء کے لیے مالی اعتبار سے 'اثاثہ' ہونے کے بجائے اُلٹا ایک 'بوجھ' ہو — اور اس کی موت سے اس کے ورثاء کو نہ صرف یہ کہ کوئی مالی نقصان نہ پہنچے بلکہ خالص مالی اعتبار سے ایک بوجھ سے نجات ملے — اس کے برعکس وہ مثال جو آپ نے دی ہے کہ مقتولہ ایک بیوہ اور بے سہارا عورت ہو جو اپنے یتیم بچوں کی واحد کفیل ہو، لیکن ظاہر ہے کہ قانون ہر انفرادی معاملے کے لیے علیحدہ نہیں ہو سکتا بلکہ قانون اوسط پر بنایا جائے گا۔

اب اس عمومی قانون کی رُو سے اسلام نے خاندان کی کفالت کا بوجھ عورت پر نہیں بلکہ مرد پر ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامی ماں باپ کی وراثت میں بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کو نصف حصّہ دلاتی ہے۔ تو یہاں عقل کا فیصلہ اس کے سوا اور کیا

ہو سکتا ہے کہ قتلِ خطاء میں بھی عورت کی دیت مرد سے نصف ہو! — شرط صرف یہ ہے کہ وہ عقل شریعت کے مقابلے میں بغاوت اور نشوز کے جراثیم سے مامون و مصئون ہو!!

رہی آپ کی وہ جذباتی مثال کہ ایک بیوہ ہے جو اپنے یتیم بچوں کی واحد کفیل ہے، تو اس پر قیاس کر کے فرمائیے کہ کیا آپ اسی دلیل سے اسلام کے قانونِ وراثت کو بھی بدلوانا چاہیں گے؟ اس لیے کہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص کی زندگی ہی میں اُس کی بیٹی بیوہ ہو جائے اور اس کے کئی یتیم بچے بھی ہوں۔ جبکہ اُس کے بھائی اچھے بھلے برسرِ روزگار ہوں — تو کیا اُس شخص کے انتقال پر قانونِ وراثت برعکس کر دیا جائے گا — قانون تو ظاہر ہے کہ اس طرح کی موم کی ناک نہیں بن سکتا۔ البتہ عقل بتاتی ہے کہ اس صورتِ حال میں اس بیوہ کی امداد و اعانت کے دوسرے ذرائع اختیار کیے جانے چاہئیں۔ اوّلاً والد اپنی زندگی میں اپنی بیوہ بیٹی کو کچھ ہبہ کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ معاشرے میں عام اخلاقی حس پیدا کی جانی چاہیئے۔ چنانچہ انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق کا مادہ افراد میں بھی ہو اور "لاکھوں روپے سے قائم ہونے والے اداروں" میں بھی — اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اصلاً ایک اسلامی ریاست میں بے سہاروں کو سہارا دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

اسی پر "عامل خواتین" کے معاملے کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی معاملے میں اضافی تلافی کی واقعی ضرورت ہو تو اس کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے جاسکتے ہیں جیسے کہ مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام نے بھی اپنی مشترکہ پریس کانفرنس میں تجویز کیا ہے کہ "بطورِ تعزیر" کچھ اضافی بوجھ اس شخص پر بھی ڈالا جاسکتا ہے جس کی بے احتیاطی سے کسی خاتون کی جان تلف ہوئی ہو — لیکن یہ واضح رہنا چاہیئے کہ اسلامی قانون ایک حیاتیاتی وحدت ہے اور اس کے مختلف اجزاء کے مابین کامل منطقی ہم آہنگی موجود ہے۔ وہ جب عام اور نارمل حالات میں کنبے کی معاشی کفالت کا بوجھ عورت پر ڈالتا ہی نہیں بلکہ کلیتہً مرد پر ڈالتا ہے تو اُس سے مطالبہ کرنا کہ وہ قتلِ خطاء میں عورت کی دیت مرد کے مساوی قرار دے خالص غیر منطقی بات ہے۔ اب اگر کوئی خاتون محض شوقیہ یا اپنے معیارِ زندگی کو بلند سے بلند تر کرنے کی خواہش سے کوئی کام کر رہی ہوں تو یہ اُن کا ذاتی معاملہ ہے — ہاں اگر کسی واقعی ضرورت کا معاملہ ہو

تو یہ اُن استثنائی صورتوں میں سے ہو گا جن کے بارے میں اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔

آخر میں اس قدر اور عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر ہماری خواتین کا ایک محدود طبقہ اُس مغربی تہذیب کی پیروی یا نقالی کرنے پر مُصر ہے جس کی ظاہری چمک دمک کو علامہ اقبال مرحوم نے اپنے انگریزی خطبات میں "Glittering exterior of the Western civilization" سے تعبیر کیا ہے۔ اور جس کی خدمت میں بہترین "خراجِ تحسین" اپنے اس شعر کے ذریعے پیش فرمایا ہے ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

تو وہ خوشی سے ایسا کریں — لیکن براہِ کرم اسلام اور اس کے نظام قانون کو اپنے پیچھے گھسیٹنے کی کوشش نہ کریں ورنہ عاقبت تو تباہ و برباد ہو گی ہی اس دنیا میں بھی اُن کا مقابلہ پاکستان کے اُن عوام سے ہو گا جو خواہ بے عمل ہوں لیکن دین میں تحریف کی کسی کوشش کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں! اور دین کے معاملے میں وہ اعتماد بہر حال علماء کرام ہی پر کرتے ہیں، نہ کہ خطیبوں، دانشوروں، ادیبوں یا پروفیسروں پر۔ اور اس ضمن میں جملہ فقہی مسالک کے علماء کے اتحادِ رائے میں اُن کے لیے ایک بڑا انتباہ، مضمر ہے۔ فقط والسلام

خاکسار (ڈاکٹر) اسرار احمد عفی عنہ

بعثتِ انبیاء و رسل کا اساسی مقصد — اور
بعثتِ محمدی کی تمامی و تکمیلی شان — نیز
انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج —
ایسے اہم موضوعات پر
ڈاکٹر اسرار احمد
کی
حد درجہ جامع تصنیف
نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت
کا مطالعہ کیجیے
اعلیٰ سفید کاغذ ○ عمدہ طباعت ○ قیمت فی نسخہ روپے
مرکزی انجمن خدام القرآن ○ ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور

نبی اکرم کی اصل عظمت قدر اور رفعت شان کو
کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"
جاننے کی اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ :
کیا ہم آپ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں ؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے
اس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلق کی بنیادیں
کا خود بھی مطالعہ کیجیے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجیے
ہدیہ مختصر : تین روپے۔ تبلیغی مقصد کے لیے یک مشت سو نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا :

مارشل لاء کی حقیقت اور اس کی افادیت یا مضرت

اور مخالفانہ نعرہ بازی، اور قید، جرمانوں اور کوڑوں کی سزا کے بارے میں

ایک اہم استفتاء اور اسکا جواب

از قلم: مولانا سیّد حامد میاں مدظلہ

مولانا سید حامد میاں مدظلہٗ جمعیت علماءِ ہند کے جنرل سیکرٹری مولانا سید محمد میاں مرحوم و مغفور کے خلف الرشید اور مولانا سید حسین احمد مدنی رحؒ کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ان سے دیرینہ مراسم ہیں اور ڈاکٹر صاحب موصوف گاہے گاہے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی تمام سالانہ قرآن کانفرنسوں اور محاضراتِ قرآنی میں ان کے دقیع مقالات و مضامین بالالتزام پیش ہوتے رہے ہیں۔ جو 'میثاق' اور 'حکمتِ قرآن' کے قارئین کی نگاہوں سے گذرتے رہے ہیں۔

الحمدللہ کہ مولانا تنظیمِ اسلامی کے 'حلقۂ مستشارین' میں بھی شامل ہیں۔ اس ضمن میں ایک جانب 'بیعت' سے متعلق مولانا کا ایک وضاحتی اخباری بیان اور ایک خط بنام مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی خلف الرشید مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ ——— اور دوسری جانب ڈاکٹر صاحب کی بعض تحریروں پر اختلافی نوٹ 'میثاق' میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا کی درجِ ذیل تحریر موجودہ ملکی حالات میں پیدا شدہ سوالات کے ضمن میں شریعتِ اسلامی خصوصاً فقہ حنفی کی رُو سے نہایت فکر انگیز ہے اور ان کے شکریے کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے۔ (ج، م)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محترم و مکرّم دام مجدکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کے خط میں استفسار کے سوالات بہت تھے اور پیچیدہ بھی، فتووں کا جواب ہمارے جامعہ کے مفتی صاحب لکھا کرتے ہیں لیکن آپ کا نہ معلوم کیوں

اصرار تھاکہ میں ہی جواب لکھوں۔ مگر میں پھر بھی یہ فتویٰ مفتی صاحب ہی کو دے دیتا کہ وہی جواب لکھ دیں لیکن وہ حج کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ مجھے جامعہ کے بہت کام رہتے ہیں۔ پڑھانے کے دوران فرصت نہیں ملتی کہ لمبی تحریر کا جواب لکھوں۔ اب عید کی چھٹیوں میں کچھ وقت ملا ہے تو جواب خود ہی لکھ رہا ہوں۔ کیونکہ عالم کے لئے حدیث پاک میں وعید آئی ہے کہ اگر اس سے پوچھا جائے اور وہ جانتا ہو پھر پوچھنے والے کو نہ بتلائے تو (معاذ اللہ) قیامت کے دن اس کے آگ کا لگام ڈالا جائے گا۔ اوکماقال علیہ الصلوٰۃ والسلام (مشکوٰۃ ص۳۴) یہ جواباً خط بھی ہے اور فتویٰ بھی کیونکہ بغیر حوالہ کے کوئی بات نہیں لکھوں گا اور حوالہ بھی وزنی ہوگا۔ انشاء اللہ۔ عربی عبارت کہیں ضروری ہوئی تو لکھ دوں گا ورنہ اس کا مفہوم اور ترجمہ لکھ کر کتاب کا صفحہ اور جلد نمبر لکھ دوں گا تاکہ اگر آپ کسی عالم سے تصدیق کرانی چاہیں تو وہ کتاب سے بسہولت حوالہ نکال سکے اور تصدیق کر سکے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھ رہا ہوں صرف احکام اسلام نقل کر رہا ہوں۔ واللہ المستعان

(۱) "آپ نے سوال کیا ہے کہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مارشل لاء لگایا تھا"

محترم اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے کبھی مارشل لاء نہیں لگایا۔ اگر کسی صاحب نے یہ بات کہی ہے تو انہوں نے مارشل لاء کی تعریف سمجھے بغیر ہی یہ کہہ دیا ہے۔ آج کل مارشل لاء اس قانون کو کہا جاتا ہے جو انگریز نے اپنی فوج کے لئے قانون بنایا تھا اور سول لاء اس قانون کو کہا جاتا ہے جو انگریز نے عام پبلک کے لئے تیار کیا تھا۔ اس کی کئی قسمیں ہیں فوجداری، دیوانی اور مالیات (انکم ٹیکس وغیرہ) مارشل لاء اس وقت سے اب تک فوج میں رائج و نافذ چلا آرہا ہے۔ اسے اگر پبلک پر نافذ کیا جائے تو اس کی چادر تنگ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جو بھی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوتا ہے وہ حسب ضرورت ضابطے جاری کرنے شروع کرتا ہے۔ ضابطہ نمبر ایک سے جہانتک بھی ضرورتیں نمبر پہنچا دیں وہ نمبروار ضابطے بڑھاتا اور نافذ کرتا چلا جاتا ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں ہوتی کہ ضابطہ شریعت کے مطابق ہو وہ شریعت سے ہٹ کر بھی ضابطے جاری کر سکتا ہے، وہ خود مختار اور آمر ہوتا ہے ایسی بات کا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر انہوں نے بُزاخہ سے آنے والے وفد سے فرمایا کہ تم ہمارے ان مقتولین کا جو تم سے جہاد میں شہید ہوئے خون بہا دو۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں شہید ہونے والوں کی کبھی دیت نہیں لی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھیک ہے اور اپنے اس فیصلہ سے فوراً ہی رجوع فرما لیا۔ اس مثال کی روشنی میں غور کریں کہ کیا وہ مروّج مارشل لاء کی طرح ضابطے جاری فرمایا کرتے تھے یا یہ دیکھتے اور پوچھتے تھے کہ ضابطہ شریعت کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ ضابطہ نہ بناتے تھے نہ نافذ فرماتے تھے بغرض

ان کے بارے میں ایسی بات جان بوجھ کر کہنا بہت ہی بڑی گستاخی ہے اور لاعلمی میں کہہ دینا نادانی ہے ——!!

(۲) آپ نے پوچھا ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں بھی کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے اور آج کل مارشل لاء کے تحت بھی کوڑوں کی سزا دی جارہی ہے اس میں کیا فرق ہے ؟

(الف) اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں کوڑوں کی سزا تین قسم کے گناہوں پر دی جاتی ہے کنوارے مرد و عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو انہیں سو کوڑوں کی۔ اور اگر کوئی کسی پر زنا کا الزام لگائے اور اسے ثابت نہ کر سکے تو اسے اسّی کوڑوں کی اور اگر کوئی شراب پیئے ہوئے پکڑا جائے تو اسے بھی اسّی کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے۔ چوتھی صورت کا نام تعزیر ہے۔ تعزیر یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے جرم یا گناہ کا ارتکاب کرے جس کا تعلق خدا سے، یا بندوں کے حقوق سے ہو۔ مثلاً نماز روزہ چھوڑنا یا کسی شخص کو ناحق اپنے ہاتھ سے تکلیف پہنچانا۔ یا کسی شخص کو ایسی بُری شرم اور عار کی بات کہہ دینا کہ جس کے دو معنے ہوتے ہوں۔ اگر ایک معنی مراد لئے جائیں تو شرعی حد لازم آجاتی ہو اور دوسرے معنے لئے جائیں تو شرعی حد لازم نہ آتی ہو مگر اس کی بے عزتی ضرور ہوتی ہو۔ مثلاً کسی کو کافر یا فاسق یا فاجر یا سود خور یا شرابی یا چور کہہ دے تو اس صورت میں تعزیری سزا دی جائے گی جو بھی حاکم مناسب سمجھے چاہے ڈانٹ ڈپٹ کر دے یا کسی اور طرح سرزنش کر دے یا چھڑی وغیرہ سے پٹائی کر دے یا زیادہ سے زیادہ اگر ضروری معلوم ہو تو کوڑے لگوا دے، اور اگر کسی شخص نے کسی کو کتا، سور یا گدھا کہہ دیا تو اس پر کوئی تعزیری کارروائی نہیں کی جائے گی۔ (بدائع الصنائع ص۶۳ ج ہفتم، فتاویٰ شامی ص۱۹۹ ج۳) اگر بیوی شوہر سے خرچ اور کپڑا مانگتی ہے اور اصرار کرتی ہے تو اس پر شوہر کو تعزیر کا حق نہیں۔ کیونکہ ان لصاحب الحق مقالا جس کا کسی پر حق ہو وہ اس کے بارے میں بات کرنے کا حق رکھتا ہے۔ (شامی ص۲۰۴ ج ۳)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تعزیر ایسے گناہ پر ہوتی ہے کہ جس کے بارے میں شریعت نے کوئی سزا مقرر نہ کی ہو، اس گناہ کا تعلق خدا سے ہو یا بندوں سے اور اس میں حاکم کا زبانی نصیحت کر دینا، گھورنا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا بھی شریعت کی نظر میں تعزیر شمار ہوتا ہے اور شدید مجرم ہو تو کوڑے بھی لگائے جا سکتے ہیں۔

(ب) لیکن اسلام میں کوڑوں کا مقصد اسے ذلیل کرنا ہے۔ اس لئے حد اور تعزیر دونوں میں اتنی زور سے نہ مارے جائیں گے کہ بدن کی کھال پھٹ جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد چاروں ہی ائمہ رحمہم اللہ علیہم کے ارشادات اور ان کا مسلک ہر ہر مسلک کی بڑی سے بڑی اور معتبر ترین کتابوں سے لکھ دیا جائے تاکہ واضح ہو جائے کہ ہر مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا اختصار ملحوظ رکھتے ہوئے امام اعظمؒ کی مسند ابی حنیفہ

قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج ، بدائع الصنائع ، فتح القدیر اور عنایہ شرح ہدایہ اور شامی سے حنفی مسلک، اور مسلک مالکی امام مالکؒ کے مسلک کی قدیم ترین کتاب المدونہ سے ، اور مسلک شافعی خود ان کی کتاب "الام" اور مختصر المزنی سے اور حنبلی مسلک ان کی اہم اور معروف ترین کتاب "المغنی" سے لیکر لکھ رہا ہوں ۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مُسْنَدْ میں کوڑے مارتے وقت جلّاد کے لئے صرف اتنا ہاتھ اٹھانا بتلایا ہے کہ اس کی بغل نظر نہ آئے، کوڑے کی گھنڈی کاٹ دی جائے اور اسے نرم کر لیا جائے ، مسند ابی حنیفہؒ ص۱۵۵ ، بدائع ص۶۰ ج ہفتم ، المغنی ص۳۱۵ ج ۸ ، فقہ حنفی کی معروف ترین کتاب ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر اور عنایہ میں ہے ۔ کوڑا اکہرا ہو، اگر دوہرا ہو (دو تسموں والا ہو) یا دُمدار (لمبے سرے کا) بنایا گیا ہو تو وہ دو کوڑوں کے برابر شمار ہوگا ۔ فتح القدیر ص۱۲۶ ج ۴ ، کوڑا نہ بالکل نیا ہو نہ بالکل پرانا ، مختصر المزنی ص۲۶۷ درمیانی درجہ کا ہو، کتاب الخراج ص۱۶۲ ۔ یہ لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ زیادہ چوٹ نہ لگے ، کمزور آدمی کو جتنی اس کی برداشت ہو رعایت رکھتے ہوئے کوڑے لگائے جائیں گے ، کوڑے ایک جگہ نہیں مارے جائیں گے بلکہ سارے جسم پر مارے جائیں گے ، سر چہرہ اور شرمگاہ پر کوڑے نہیں مارے جائیں گے ، ہدایہ و شرح ہدایہ فتح القدیر مع عنایہ ص۱۲۶ ج ۴ ۔ سینہ اور پیٹ پر بھی نہ مارے جائیں ، شامی ص۱۶۱ ج ۳ ۔ شدید گرمی اور شدید سردی میں بھی کوڑے نہیں لگائے جائیں گے ۔ کوڑے ایک ہی جگہ نہ مارے جائیں کہ کھال پھٹ جائے ۔ ایسی مار جس سے کھال پھٹ جائے یا کوئی عضو تلف ہو جائے جائز نہیں ، بدائع الصنائع ص۵۹ ج ۷ ، المغنی ص۳۱۶ ج ۸ ۔ حد اس پر کھڑے کھڑے لگائی جائے گی نہ تو اسے ٹکٹکی پر باندھا جائیگا نہ زمین پر لٹایا جائے گا ۔ یہ بدعت ہے ۔ کوڑا مارنے کے بعد جلّاد کوڑے کو کھینچے نہیں بلکہ اٹھالے ۔ مارنے کے بعد اسے کھینچنا ایسا ہی ہے جیسے دوسری دفعہ مارا گیا ہو ۔ جلّاد سمجھدار ہونا چاہیئے جو مار کی کیفیات کا ماہر ہو وہ درمیانی درجہ کی ضرب سے مارے نہ بہت شدید اور نہ ایسی کہ کوڑے کا احساس ہی نہ ہو ۔ بدائع الصنائع ص۶۰ ج ۷ ، المدونۃ الکبریٰ ص۲۴۸ ج ۶ ۔ مرد کے کھڑے کھڑے اور عورت کو بٹھا کر کوڑے لگائے جائیں گے حدود میں بھی اور تعزیرات میں بھی ، شامی ص۱۶۱ ج ۳ ۔ تعزیرات میں بھی ان سب جگہوں کو مار سے بچایا جائے گا جنہیں حد میں بچایا جاتا ہے ، شامی ۔ کوڑا لگاتے وقت چاہے اسے درخت وغیرہ سے باندھ دیا جائے لیکن اس کے ہاتھ کھلے چھوڑے جائیں گے جن سے وہ اپنا بچاؤ کرتا رہے گا نہ اسے باندھا جائے گا نہ زمین پر لٹایا جائے گا اور کوڑے لگنے سے خون نہ بہہ نکلے اس کا لحاظ رکھا جائے گا ۔ کتاب الام ص۱۵۲ ج ۷ ۔ شریعت میں حد لگانے کا مقصد یہ ہے کہ (اسے اس توہین سے شرم) عار دلا کر دوسروں کو عبرت بھی دلائی جائے تاکہ دوسرے لوگ ایسا نہ کریں یا یہ مقصد ہے کہ حکم خداوندی پورا کر دیا جائے تاکہ اس کے جرم کا کفارہ ہو جائے ، مزنی عن الشافعیؒ مختصر المزنی

صـ۲۶۷، کتاب الام صـ۱۵۴ ج ۷۔ اسی لئے اس کی حد سے زیادہ توہین نہیں کی جاسکتی، کسی مسلمان کی گدھی (کی گردن) پر چپت نہیں ماری جائیں گے۔ عن السرخسی لا یباح بالصفع لانہ من اعلی ما یکون من الاستخفاف فیصان عنہ اھل القبلۃ، شامی صـ۱۹۵ ج ۳۔ تعزیر اس شخص کی غلطی کی تشہیر کرکے بھی ہوسکتی ہے۔ تذلیل و توہین کرکے بھی مثلاً جھوٹے گواہ کا منہ کالا کرکے، یہ بھی تعزیر میں داخل ہے، شامی صـ۱۹۵ ج ۳۔ باپ کا بیٹے کو مارنا بھی تعزیر کہلاتا ہے، شامی صـ۲۰۰ ج ۳۔ حدود میں حد جاری کرنی ضروری ہوتی ہے جیسے حدِ قذف لیکن بعض اوقات مجرم ایسے مرض میں مبتلا ہوتا ہے جو کبھی بھی جانے والا نہ ہو جیسے سل وغیرہ یا قدرتی طور پر بہت ہی لاغر و کمزور ہوتا ہے تو ایسی صورت میں تخفیف کرکے کوڑوں کی بجائے کھجور کا ایسا خوشہ لے لیا جائے گا جو پھیلا ہوا ہو اور اس میں سو شاخیں ہوں۔ یہ ایک دفعہ اس طرح مار دیا جائیگا کہ سب شاخیں اس کے بدن پر لگ جائیں، شامی صـ۱۶۳ ج ۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کا اعلان فرما دیا تھا کہ اگر کسی حاکم نے تعزیر میں کسی کو بے جا سزا دی ہے تو اس حاکم سے اس شخص کا بدلہ دلاؤں گا۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلا دلایا تھا۔ کتاب الخراج للامام ابی یوسفؒ صـ۱۱۵۔ حد اور تعزیر میں مارنا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ کسی کی حق تلفی کی گئی ہو مثلاً فسق و فجور کا ارتکاب یا قذف یا نشہ لیکن کسی کے تہمت لگا دینے پر یا کسی معمولی گناہ کے ارتکاب پر تعزیر میں مارنا درست نہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مارنے پیٹنے سے منع فرمایا ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ضرب المسلمین اور ہمارے نزدیک واللہ اعلم اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے یہ بتلایا ہے کہ بغیر اس کے کہ ان پر ایسی حد واجب ہوتی ہو کہ جس پر مارنے کا حکم آیا ہو انہیں مارا نہیں جاسکتا۔ کتاب الخراج صـ۱۵۱۔

(۳) مالی جرمانے: آپ نے مالی جرمانوں کے بارے میں دریافت کیا ہے کہ شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟ تو یہ خلافِ اسلام ہیں۔ کہیں مالی جرمانوں کا ثبوت ہی نہیں ہے ہمارے یہاں ایسے تمام قوانین کو بدل ڈالنا نہایت ضروری ہے جو خلافِ اسلام چل رہے ہیں۔ تعزیر کی سزا میں مالی جرمانہ نہیں کیا جاسکتا "لا یجوز للمسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی۔ شرعی وجہ کے بغیر کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کا بھی مال لے لے، فتاوٰی شامی صـ۱۹۵، ۱۹۶ ج ۳۔ البتہ شخصی نقصان کا تاوان دلایا جاتا ہے۔ اور مغنی میں ہے "مجرم کا مال ضبط کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں ایسا حکم کہیں کسی ایسی شخصیت سے منقول نہیں ہے کہ جس کی پیروی کی جاتی ہو۔ المغنی صـ۳۱۶ ج ۳۔

(۴) آپ نے دریافت کیا ہے کہ کیا موجودہ حکومت کو اس کے خلاف نعرے لگانے یا تقریر کرنے پر قید کوڑوں اور جرمانوں کی سزا دینی شرعاً درست ہے؟

اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ حکومتِ صحیحہ کے خلاف نعرہ بازی اور تقریریں سب سے پہلے سیدنا

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری سالوں میں ہوئی ہیں، انہوں نے ایک دفعہ سرغنہ لوگوں کو صوبہ بدری کا حکم دیا بیت المال سے ان کا وظیفہ بھی روک دیا۔ ان باغیوں کو اس سے زیادہ سزا دینے کا ثبوت نہیں ملتا، پھر جب یہ باغی مدینہ منورہ میں گھس آئے تو نہ انہوں نے انہیں قید کرنے کا انتظام کیا نہ کسی کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی البتہ ان کی تقریروں اور نعروں کے جواب میں تقریر فرمائی ان کی باتوں اور گفتگو کا جواب دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفۂ رابع سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا زمانہ آیا تو آپ کے مخالف خوارج نے پروپیگنڈا اور نعرہ بازی کی معاذ اللہ آپ کو کافر کہا۔ جماعت کے ساتھ نمازیں چھوڑ دیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد کی ایک طرف سے انہوں نے نعرہ بلند کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ لکم علینا ثلاث لا نمنعکم مساجد اللہ ان تذکروا فیھا اسم اللہ ولا نمنعکم الفیئ ما دامت ایدیکم مع ایدینا ولا نبدء لکم بقتال (ترجمہ) یعنی ہمارے ذمہ تمہارے لئے تین امور ہیں۔ ہم تمہیں مسجدوں میں داخل ہونے سے نہیں روکیں گے۔ تم خدا کی یاد کرو۔ ہم تمہیں مالِ غنیمت بھی اس وقت تک دیتے رہیں گے جب تک تم ہمارے ساتھ ملکر جہاد میں شرکت کرتے رہو گے اور ہم تم سے لڑنے میں پہل نہیں کریں گے مختصر المزنی ص۲۰۷، المغنی ص۱۱۲ ج ۸ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں خوارج نے سر اٹھایا۔ انہیں برا بھلا کہنا شروع کیا تو ان کے گورنر بصرہ عدی بن ارطاۃ نے ان کی خدمت میں یہ حال لکھا انہوں نے جواب میں لکھا کہ: ان سبونی فسبوھم او عفوا عنھم وان شھروا السلاح فاشھروا علیھم وان ضربوا فاضربوا۔ ترجمہ۔ اگر وہ مجھے برا کہتے ہیں (میرے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں) تو تم انہیں برا کہہ لو یا معاف کر دو (کچھ نہ کہو) اور اگر وہ ہتھیار اٹھائیں تو تم بھی ان پر ہتھیار اٹھاؤ اور اگر وہ مار پٹائی کریں تو تم انہیں مار دھپٹو، المغنی ص۱۱۲ ج ۸، آپ کے سامنے ان خلفاءِ راشدین کا عمل آگیا ہے جن کی خلافت بالاجماع صحیح اور خلافتِ راشدہ تھی اس طرح کے مسائل ان ہی حضرات سے چاروں فقہوں کے اماموں نے لے کر طے کئے ہیں ان حضرات نے مخالفانہ نعروں یا تقریروں پر کوڑے نہیں لگائے قید نہیں کیا، جرمانے نہیں کئے اور موجودہ حکومت نے تو تا حال بیعت عامہ ہی نہیں لی ہے یعنی ووٹ نہیں لیا اسے سپریم کورٹ نے نظریۂ ضرورت کے تحت عبوری دور کے لئے حکومت کہا ہے (جسے ڈیڑھ سو سال قبل ایک موقعہ پر ہمارے علماءِ ہند نے حکومت مؤقتہ کا نام دیا تھا)۔ موجودہ حکومت ہر موقعہ پر خود یہ اعلان کرتی آرہی ہے کہ وہ انتخابات کرا کے معزول ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں تو اسے کسی کے نعرہ لگانے یا تقریر کرنے پر بالکل ہی سزا دینے کا اختیار نہیں رہتا اور سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر چکا ہے ان صاحب الحق مقالا، حالانکہ وہ تین تین سزائیں قید یا قید بامشقت کوڑے اور جرمانے کی سزائیں جمع کر ڈالے اور کوڑے بھی وہ جو انگریزوں نے اپنے دورِ استعمار

میں غلام رعایا کے لئے رکھے تھے جو قطعاً غیر اسلامی ہیں اور پہلے گزر چکا ہے کہ اسلام میں جرمانے کی سزا کا ثبوت ہی نہیں ہے۔ جب یہ سزائیں یعنی کوڑے اور جرمانے ناحق ہوئے تو شرعاً یہ ظلم شمار ہوں گے۔ اور ظلم خدا نے حرام قرار دیا ہے اسلئے حکومت کو چاہیئے کہ فوراً ہی ان ضابطوں کو منسوخ کر دے ورنہ خدا کی مدد مظلوم کے ساتھ ہوگی اور حکومت تائیدِ الٰہی سے محروم ہو جائے گی، یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں نصیحت و اخلاص کا تقاضا بھی ہے اگر حکومت خدا سے ڈرے تو اس کا نفع ہے، حدیث شریف میں آیا ہے: الدین النصیحہ اور فرمایا ہے اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب، مظلوم کی بد دعا سے بچو اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا (ضرور لگتی ہے) مشکوٰۃ عن معاذؓ صـ۱۵۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یہی نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ مظلوم خدا سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ کسی حقدار کا حق نہیں روکتا۔ مشکوٰۃ صـ۴۳۶۔

(۵) آپ نے سوال کیا ہے کہ اسلام میں قید کے کیا احکام ہیں؟

اسلام میں قید تو کیا جاتا ہے مگر کم سے کم عرصہ کے لئے۔ مثلاً قاتل چور وغیرہ کو تاوقتیکہ اس کے بارے میں فیصلہ ہو۔ عدالت کے فیصلہ کے بعد یا اسے بری کر دیا جاتا ہے یا سزا دے دی جاتی ہے۔ اگر قیدی کو قتل نہ کیا گیا ہو تو سزا کے بعد یعنی حد جاری کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا جاتا ہے، اسے لمبی قید ہی میں چھوڑ دینا یا عمر قید اسلام میں نہیں ہے۔ البتہ قاتل کو جیل میں اسی کے فائدہ کے پیشِ نظر بعض اوقات لمبی قید ملتی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ مقتول کی نابالغ اولاد کے بالغ ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے کہ بچہ بالغ ہونے کے بعد اپنے باپ کا قصاص لیتا ہے یا دیت (خون بہا) لیتا ہے یا قاتل کو معاف کرتا ہے۔ اس کے بالغ ہونے تک انتظار کیا جاتا ہے۔ اور قاتل کو قید میں رکھا جاتا ہے۔ لیکن کسی بھی قسم کے قیدی کے ساتھ گالی گلوچ جائز نہیں نہ ہی اسے کسی طرح کی کھانے پینے اور رہنے کی جگہ کی اذیت پہنچانی جائز ہے۔ مثلاً دھوپ میں کھڑا کرنا، نہ ہی اسے تکلیفیں پہنچا کر بیان لینا جائز ہے حدیث پاک میں وعید آئی ہے جو لوگوں کو عذاب دیتے ہیں انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائیگا، کتاب الخراج لابی یوسفؒ صـ۱۷۵۔ ۱۲۳۔ ۱۲۵، اگر قیدی مال دار ہے تو کھانا خرچہ اس کے اپنے گھر سے ہوگا۔ ورنہ دس درہم ماہانہ قیدی کے ہاتھ میں دیئے جائیں (یہ امام ابو یوسفؒ کے زمانہ میں چاندی کا سکہ تھا جو ایک دینار یعنی ساڑھے چار ماشہ سونے کے برابر ہوتا تھا۔ جو آجکل کم از کم آٹھ سو روپے کے برابر ہوگا) پھر اگر وہ رہا ہونے کے بعد یہ خرچ ادا کر سکتا ہے تو ادا کر دے گا قیدی کے سردی گرمی کے لباس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ سب سے پہلے قیدیوں کے ساتھ حسنِ معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا ان کے بعد سب امراء نے، کتاب الخراج صـ۱۴۹۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حکمنامہ جاری کیا تھا کہ کوئی جیلر اپنے قید خانہ میں کسی مسلمان قیدی کو ایسی طرح

باندھ کر نہ رکھے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اور اس قیدی کے سوا جو قتل کے کیس میں گرفتار ہو ہرگز کسی کو رات قید خانہ میں مت گزرواؤ۔ (اتنی دیر بھی قید نہ رکھو) اور انہیں کھانے پینے اور سالن کے لئے وہ کچھ دو جو ان کے لئے (ہر طرح) ٹھیک اور مناسب ہو، کتاب الخراج صہ۱۵۰ لقاضی القضاۃ ابی یوسفؒ۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ابن ملجم نے قاتلانہ حملہ کیا تو اسے پکڑ کر پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا: احسنوا اسارہ فان عشت فانا ولی دمی وان مت فضربۃ کضربتی۔ اس کے ساتھ قید میں اچھا سلوک کرو۔ اگر میں زندہ رہا تو میں اپنے خون کا خود حق دار ہوں اور اگر میرا انتقال ہو جائے تو میری جیسی ضرب اسے لگائی جائے، المغنی صہ۱۲۶ ج ۸۔ امام شافعی فرماتے ہیں: فامر بحبسہ وقال لولدہ ان قتلتم فلا تمثلوا: ترجمہ: سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ابنِ ملجم کو قید کرنے کا حکم دیا اور اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ اگر اسے تم قتل کرو تو مُثلہ نہ کرنا (مار کر ناک کان کاٹ کر شکل مت بگاڑنا) مختصر المزنی صہ۲۵۶، اس سے معلوم ہوا کہ قیدی کے ساتھ، جب تک وہ زندہ رہے اور جب اسے مار دیا جائے بہرصورت کسی قسم کی بدسلوکی نہیں کی جا سکتی۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صفین کی جنگ کے دوران جب کسی کو قید کر کے لایا جاتا تھا تو آپ اس کے ہتھیار اور سواری ضبط کر لیتے تھے اور یہ عہد اور وعدہ لیتے تھے کہ دوبارہ وہ مقابلہ کے لئے نہیں آئے گا۔ پھر اسے چھوڑ دیتے تھے! کتاب الخراج صہ۲۱۵۔ موجودہ حکومت اسلام کا سب سے زیادہ نام لے رہی ہے اور سب سے زیادہ بااختیار ہے۔ اس لئے اس پر سب سے زیادہ واجب بھی ہے کہ وہ ہر غیر اسلامی فعل چھوڑ دے تاکہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کی وعید سے بچ سکے اور لوگوں کو بھی چاہیئے کہ جہاں تک ان کی رسائی ہو سکے حکمرانوں کو سمجھاتے رہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا ہے لوگ جب کسی کو ظلم کرتا دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ سب ہی پر خدا عذاب نازل کر دے، مشکوٰۃ صہ۴۳۶۔ اسی طرح جب کوئی بری بات دیکھیں تو روکیں کتاب الخراج صہ۱۰۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے بار بار اتق اللہ "خدا سے ڈر" کہا کسی نے اسے ٹوکا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے یہ جملہ کہنے دو۔ اگر لوگ ہم سے یہ نہ کہیں تو ان سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں اور وہ اچھے نہیں اور اگر ان کی اس بات کو ہم قبول نہ کریں تو ہم میں کوئی خوبی اور بھلائی نہیں، کتاب الخراج صہ۱۲۔

(۶) آپ نے دریافت کیا ہے کہ اگر کسی کو یہ کہا جا رہا ہو کہ وہ قادیانی ہو گیا ہے اور وہ اپنی صفائی میں کہے کہ میں راسخ العقیدہ مسلمان ہوں۔ میں قادیانی نہیں ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ حضور خاتم النبیین تھے

آپ کو مہرِ نبوّت عطا ہوئی تھی۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کیا اس کا یہ اقرار اس کے مسلمان ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہے یا نہیں!

اس کا جواب یہ ہے دل کا حال تو خدا جانتا ہے کہ مذکورہ بالا کلمات قادیانی بھی کہتے ہیں جس میں وہ دجل وفریب سے کام لیتے ہیں، کہتے ہیں میں قادیانی نہیں ہوں۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ میں اللہ دتہ ہوں، غلام احمد قادیانی نہیں ہوں۔ یا یہ کہ میں قادیان کا رہنے والا نہیں ہوں ــ حضور خاتم النبیین تھے کا مطلب اور آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مستقل شریعت لے کر آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا (بروزی نبی نہیں آئے گا) ہاں شریعت یہی رہے ایسا نبی آسکتا ہے (ظلی نبی آسکتا ہے) اور وہ غلام احمد قادیانی کے بارے میں ایسی ہی تاویلیں کرتے جاتے ہیں اور نبی کہتے جاتے ہیں۔ اس کے دیکھنے والوں کو صحابی کہتے ہیں اور اس کی بیوی کو ام المؤمنین وغیرہ اور آپ کو مہرِ نبوّت عطا ہوئی تھی کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اب جو نبی آئے گا وہ آپ کے مہر لگائے بغیر نبی نہ ہو سکے گا اور مرزا قادیانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی نبوّت پر معاذ اللہ آپؐ نے مہر لگائی تھی۔ بات یہ ہے کہ اگر کوئی قادیانیت کے بارے میں اپنی صفائی پیش کرنی چاہتا ہے تو وہ صرف اتنی سی بات کہدے کہ "میں مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر مانتا ہوں" یا یہ کہے کہ آنحضرتؐ کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی سمیت ہر مدعیٔ نبوّت کو کافر مانتا ہوں یہ کلمات واضح ہیں اور ہمارے آئین میں ہیں جو شخص یہ کلمات کہے اسے پھر قادیانی نہیں کہا جا سکتا۔ اور چونکہ جس پر شبہ کیا جاتا ہے تو کچھ قرائن کی بنا پر ہی کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے صاف ہی الفاظ سے اپنی صفائی کرنی چاہیئے اور ان قرائن کی بھی صفائی بیان کر دینی چاہیئے جن کی وجہ سے لوگوں کو شبہ پیدا ہوا ہو ــــ!!

(۷) آپ نے سوال کیا ہے کہ مارشل لاء میں خرابی کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے سوال نمبر ۱ سے نمبر ۵ تک کے جوابات ملاحظہ فرمالئے ہیں خود ہی غور فرمائیں کہ یہ شرعی غلطیاں پائی جا رہی ہیں یا نہیں (ب) ایک بڑی خرابی جو ملک کا بہت ہی بڑا نقصان ہے یہ ہے کہ فوج کے حکام تک عوام کی رسائی نہیں ہے اور ان کے فیصلوں کا انداز تحکمانہ ہے جس سے عوام کو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی غیر ملکی طاقت جو بے رحم اور اجنبی ہے سر پر سوار ہو گئی ہے جیسے پہلے انگریز سوار تھا، آپ ہی بتلائیں کہ اگر عوام کے ذہن میں یہ بات آجائے تو ان کی ہمدردیاں فوج کے ساتھ کہاں رہ سکتی ہیں اور فوج بغیر عوام کی طاقت کے کسی بیرونی ملک کے حملہ کے جواب میں بغیر عوام کی بھرپور حمایت کے کیسے کامیاب ہو سکتی ہے گویا مارشل لاء کی درازی فوج کو ایک طبقہ کا روپ دے رہی ہے وہ یہی اعلان بھی کر رہی ہے کہ ہم ایک طبقہ ہیں اس طرح دوسرا طبقہ عوام ہو گئے اور ان میں اختلاف طبقاتی اختلاف اور طبقاتی سرد جنگ کا پیش خیمہ ہوگا جبکہ انہیں اس اختلاف

سے بالا اور سب عوام کا محبوب ہونا چاہیئے تھا کیونکہ وہ ہمارے ہی بھائی بند ہیں۔ (ج) حکومت یہ تسلیم کر رہی ہے کہ رشوت کا ریٹ بڑھ گیا ہے۔ پانچ سے پچاس ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ مارشل لاء ہے یعنی فوج کا سول علاقوں میں آجانا اس کا سبب بنا ہے فوج کے آدمی فرشتے نہیں ہیں جب وہ ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جائیں گے تو ان کا ذہن لڑنے کے کام کا نہیں رہے گا۔ حالانکہ قوم کا روپیہ دفاع ہی پر سب سے زیادہ خرچ ہو رہا ہے اللہ رحم فرمائے آپ کی کسی ذریعہ اگر بڑے صاحب تک رسائی ہو تو انہیں سمجھائیں عرض معروض کریں ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات۔

(۸) آپ نے پوچھا ہے کہ ملک کی خرابیوں کا کیا علاج ہے۔ جنرل صاحب اسلامی نظام لا رہے ہیں آپ ان سے کیوں دور ہیں؟

(الف) اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی نظام نافذ کر دیا جائے اس کے سوا کوئی نظام اور کوئی تدبیر ایسی کارگر اور مؤثر نہیں ہے۔ اسلامی نظام کے تحت معاشرتی معاشی (اقتصادیات) مالیات سب کی اصلاح ہو گی قانون بدل جائے گا فوج کا بھی اور سول کا بھی وغیرہ (ب) اوّل تو جنرل صاحب اسلامی نظام سے واقف نہیں ہیں اور جو واقف نہ ہو وہ اس نظام کو نہیں لا سکتا۔ ورنہ چند ہفتوں کا کام تھا یہ نظام تبدیل ہو جاتا نیز میں اب تو یہ تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں کہ جنرل صاحب سچے دل سے نظامِ اسلام لانا چاہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ وہ صرف اسلام کا نام استعمال کر رہے ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے اسلامی قوانین کو سب سے نیچے درجہ دیا اس سے اوپر انگریزی قانون کو مقام دیا اور اس سے اوپر مارشل لاء کو اگر وہ اسلامی نظام کے دل سے خواہشمند ہوتے تو اسلامی نظام کو سب سے اعلیٰ مقام دیتے۔ اگر خدا نے معاف نہ کیا تو خدا کے یہاں ان سے دین کے ساتھ اس مذاق و استخفاف پر سخت محاسبہ ہو سکتا ہے۔ چھ سال کے مشاہدات نے ہمیں مایوس کر دیا ہے اس لئے ہم ان سے دور ہیں۔ (ج) ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جس طرح پاکستان کا مذہب متعین ہے کہ اسلام ہو گا وہ اگر پاکستان کا مسلک بھی متعین کر دیتے کہ حنفی مسلک ہو گا۔ اس طرح یہ نتیجہ ہی فوراً برآمد ہوتا کہ:

- فوج میں انگریز کا بنایا ہوا فوجی قانون (مارشل لاء) منسوخ ہو جاتا اس کی جگہ اسلام کا حنفی قانون جو موجود ہے نافذ کر دیا جاتا۔
- سول عدالتوں میں انگریز کا دیا ہوا دیوانی اور فوجداری قانون منسوخ ہو جاتا اس کی جگہ حنفی قانون آجاتا۔
- شیعہ اقلیت کے لئے فقہ جعفری کی اجازت دے دی جاتی۔
- عدالتوں کی بالادستی تسلیم کرا دی جاتی، اس کام میں حکومت کو بہت سے اسلامی قضاء کی کتابوں کے ترجمے کرا کر عدلیہ کو مہیا کرنے ہوتے اور علماء کو ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ بٹھانا ہوتا یہ حکومت کے لئے چند ماہ سے زیادہ کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔

- اس سے فوری طور پر جو فوائد رونما ہوتے ان سے پوری قوم مطمئن ہوتی کیونکہ اس کا اثر اقتصادیات پر فوراً ہی پڑتا مثلاً یہ کہ :

(الف) تمام ایسے بڑے کارخانے کہ جن کے قیام میں اسٹیٹ بنک (بیت المال یعنی بیت المسلمین) زیر بار ہوتا ہے۔ ان سب کی آمدنی اسٹیٹ بنک کی ملکیت ہوتی اور کارخانے دار کا یا حصہ ہوتا یا بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا۔ کیونکہ ایسے بڑے کارخانوں کا بار بواسطہ بیت المال پوری قوم پر پڑتا ہے۔ اس لئے وہ کسی ایک فرد کی ملکیت نہیں ہو سکتے۔

(ب) تمام تاجروں کو بھی انکم ٹیکس کی چھوٹ دے دی جاتی کیونکہ یہ غیر اسلامی ہے اور کسٹم باقی اور جاری رہتا یہ اسلامی ہے اور اس کے قانون فقہ میں موجود ہیں اور کسٹم ہی سے بیت المال کو زیادہ آمدنی ہے انکم ٹیکس سے آمدنی بھی بہت تھوڑی ہے۔ درآمد و برآمد دونوں پر ڈیوٹی کے احکام موجود ہیں۔

(ج) اور زمینوں کے بارے میں جمعیۃ علماء نے اپنے منشور میں مفصل اصلاحات ذکر کی ہیں۔ اس قسم کی اصلاحات اور جماعتوں نے بھی اپنے اپنے منشور میں کر رکھی ہیں۔ یہ اصلاحات سب جماعتوں کی قریب ہی قریب ہیں زمیندار اور مزارع سب ہی کو ان اصلاحات سے فائدہ ہوتا۔

(د) سرکاری بالکل غیر آباد زمینیں آبادکاروں کی ملکیت بنا دی جاتیں۔

(ہ) خراجی زمینوں سے خراج وغیرہ بیت المال کی آمدنی کی مدات میں ہوتا جو حکومت کے کاموں میں صرف ہوتا۔ جس طرح عشر غرباء پر صرف کے لئے ہوتا ہے۔

(و) ناداروں از کار رفتہ ضعیفوں اور بوڑھوں کا وظیفہ بیت المال سے جاری ہوتا چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی بوڑھے کو مانگتا دیکھا دریافت کیا کہ ایسا کیوں کرتے ہو۔ اس نے ضعیفی اور ناداری کا عذر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس جیسے اور سب لوگوں کو بھی تلاش کرو اور ان سب کا وظیفہ بیت المال سے جاری کر دیا۔ فرمایا کہ قرآن میں ہے ۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین، فقراء تو مسلمان محتاج لوگ ہیں، اور یہ اہل کتاب میں ہے یہ مساکین میں داخل ہے۔

غرض اسلامی نظام عدل اور اقتصادی نظام وہی ہے جس کی آج ہر انقلابی شخص تمنا کر رہا ہے کہ وہ برپا ہو یہ الگ بات ہے کہ دینی معلومات عام نہ ہونے کی وجہ سے اسے خبر نہ ہو کہ ہمیں اسلامی نظام میں یہ خود بخود لازماً اور دائمی طور پر ملے گا۔ انگریزی دور اقتدار نے جو دین سے ناواقفیت پیدا کی تھی وہ حجاب بنی چلی آ رہی ہے۔

خیر موجودہ حکومت تو اسلامی نظام لانے میں بُری طرح ناکام رہی ہے۔ اس لئے میں ایم آر ڈی میں شامل جماعتوں سے اپنی تحریرات میں اپیل کرتا رہا ہوں کہ وہ اپنے اپنے دستور میں اتنی عبارت

کا صدق دل اور عزم صمیم سے اضافہ کرلیں کہ ہم جب برسراقتدار آئیں گے تو ہمارے دور میں "عدلیہ آزاد اور بالا دست ہوگی۔ قانون حنفی ہوگا۔ پرسنل لاء فقہ جعفری ہوگا"

اگر میری آواز کسی طرح ان تک پہنچ گئی تو امید ہے کہ وہ جماعتیں جنہوں نے ۱۹۷۳ء کے آئین پر دستخط کیے ہیں وہ تو اسے قبول کرنے میں تأمل نہ کریں گی اور اس تجویز کی منظوری کا اعلان بھی کردیں گی تاکہ ان کی موجودہ جدوجہد حکومت الٰہیہ، نظام مصطفٰی اسلامی نظام (غرض جو نام بھی لے لیا جائے) کے لئے ہوجائے۔ اسی میں ملک کی سلامتی بھی ہے اور اسی میں عوام اور ان لوگوں کا جنہیں کمزور عوام (قرآن پاک میں مُستَضعَفِین) کہا گیا ہے پائدار نفع ہے۔ لیکن سب قائدین زیر حراست ہیں ان تک میری آواز خدا پہنچائے اور انہیں یہ تجویز قبول کرنے اور اس کے اعلان کی توفیق بخشے، تاکہ ہمارے اور ان کے لئے اس کا ثواب صدقہ جاریہ بنے، آمین!

جس طرح موجودہ حکومت پر میرے ۹ میں لکھی ہوئی چیزوں پر شرعاً عمل کرنا فرض تھا اور ہے اسی طرح سابق حکمران جماعت پیپلز پارٹی پر بھی اس کا ماننا فرض ہے کیونکہ ۱۹۷۳ء کا آئین اس نے اپنے دور میں بنایا ہے۔ جس میں اسلامی نظام لانے کا عرصہ مقرر کیا ہے اور اسی نے اسلام کے اقتصادی اصلاحات (اسلامی سوشلزم) کا نعرہ لگایا تھا۔ اس لئے اس پر اس تجویز کا خیر مقدم کرنا اسی طرح فرض ہے جس طرح اس موجودہ حکومت پر۔

آپ کے تمام سوالات کا جواب بھی بحمد اللہ لکھا گیا اور آخر میں کچھ اور ضروری باتیں بھی آگئیں آپ کا اصرار تھا کہ میں ضروری استفتاء کا جواب لکھوں۔ اب عریضہ ختم کرتا ہوں۔ اپنے علم و دانست کے مطابق میرا یہی جواب ہے اور یہی فتویٰ ہے۔ واللہ اعلم

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

دعاؤں کا خواستگار سید حامد میاں

انا المصدق: محمد شاہ امروٹی (حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب امروٹی مدظلہم) ۱۶ ذوالحجہ سنہ ۱۴۰۲ھ ۴ اکتوبر سنہ ۱۹۸۲ء

الجواب صحیح: امیر حسین گیلانی بقلم خود (مولانا سید امیر حسین شاہ صاحب گیلانی مدظلہم)

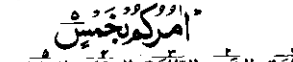

عَنِ الحَارِثِ الاشعری، قَال، قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ،

"اٰمُرُکُم بِخَمسٍ

بِالجَمَاعَۃِ وَالسَّمعِ وَالطَّاعَۃِ وَالھِجرَۃِ وَالجِھَادِ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ"

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

گر اک چراغِ حقیقت کو گُل کیا تم نے — تو موجِ دود سے صد آفتاب اُبھریں گے

"شامِ الہُدیٰ" کراچی کی روداد

مرتبہ: نعیم الطاف ——— بہ تعاون شیخ جمیل الرحمٰن

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے دروس کا "الہُدیٰ" کے ٹائٹل کے تحت پاکستان ٹیلی ویژن پر جب ۳۰ اپریل ۸۱ء سے ہفتہ وار اجرا ہوا تو بفضلہ تعالےٰ اس پروگرام نے پاکستان گیر پیمانے پر اتنی عظیم مقبولیت حاصل کی کہ لوگوں کی حتمی رائے یہ ہے کہ اس سے زیادہ مقبول و مؤثر ترین کوئی دینی پروگرام نہ اس سے قبل ٹی وی پر پیش ہوا اور نہ تاہنوز پیش ہوا ہے۔

ایک تو خود اللہ تعالےٰ کے کلام قرآن حکیم کا معجزانہ اسلوب بیان ہے کہ جس کے سامنے نزول قرآن کے وقت عرب کے تمام نامی گرامی شعراء و خطباء نے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ لبید رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو شعرائے سبع معلّقات کے آخری شاعر ہیں یعنی اُن ممتاز شعراء میں سے ہیں جن کے اشعار اس وقت تک خانہ کعبہ پر تحریری طور پر لٹکائے جاتے تھے جب تک کہ اُن سے بہتر اشعار پیش نہ ہوں اور لبیدؓ ہی وہ آخری شاعر ہیں کہ جن کو ان کے قصیدہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آغازِ وحی سے قبل سوقِ عکاظ میں شعرائے وقت نے سجدہ کیا تھا۔ جو اس بات کی علامت اور اس کا مظہر کامل تھا کہ انؓ کو اس دور کے صنف شاعری اور فصاحت و بلاغت کا اُستاذ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ وہ ہی لبیدؓ قرآنِ مبین کے اعجاز اور فصاحت و بلاغت نیز اس کے بدیہیات فطرت کو مسحور و متأثر کرنے والی تعلیمات کے آگے سرنگوں ہو گئے اور دولتِ ایمان سے مالامال ہوئے اور اس کے بعد شاعری ترک کر دی۔ یہ تو محض ایک مثال ہے ورنہ قرآن حکیم کی معجز نمائی اور اثر پذیری کا عالم یہ تھا کہ عرب قوم جس کی گھٹی میں شرک رچا بسا ہوا تھا، جو بہت سے ذمائم در ذائلِ اخلاق میں ملوث تھی، وہ ایسی موحد اور متقی بن گئی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انکی شان میں ارشاد فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ
مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ
رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ
مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ
مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ
وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى
عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ
لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ
مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝
(سورۃ فتح - ۲۹)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ
ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت
اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب
دیکھو گے انہیں رکوع و سجود
اور اللہ کے فضل اور اسکی خوشنودی
کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود
کے اثرات ان کے چہروں پر موجود
ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے
ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ
میں اور انجیل میں ان کی مثال
یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی
ہے۔ جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر
اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی
پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت
کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے
تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر
جلیں۔ اس گروہ کے جو لوگ ایمان
لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے
ہیں۔ اللہ نے ان سے مغفرت اور
بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔"

دوسرے اگر قرآن حکیم کے پیغام، اس کے علوم و معارف، فطرتِ انسانی میں ودیعت شدہ بدیہیات کو اپیل کرنے والے دلائل اور اس کی واضح و مبرہن تعلیمات کو موجودہ دور کی علمی و فکری سطح پر پُرتاثیر و اسلوب اور محکم استدلال کے ساتھ پیش کیا جائے تو عجب از دل خیزد بر دل ریزد، والا معاملہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی کو جہاں خاص اپنے فضل و کرم سے فہمِ قرآن جیسی نعمتِ عظمیٰ و کبریٰ سے نوازا

ہے وہاں ان کو دلوں کو مسخر و متأثر کرنے والا اسلوبِ خطابت، اندازِ بیان اور طرزِ استدلال بھی عطا فرمایا ہے ۔ موصوف کے درسِ قرآن حکیم سے ایک سامع یوں محسوس کرتا ہے گویا قرآن کا مفہوم اس کے دل میں اترتا چلا جا رہا ہے اور اس کے ذہن میں اس کلامِ عظیم کی عظمت کا نقش ثبت ہوتا چلا جاتا ہے ۔

ٹی وی پروگرام "الھُدیٰ" کے ذریعے تطہیرِ افکار اور تعمیرِ سیرت و کردار کے لئے قرآن مجید کی انقلابی دعوت اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کے اوصاف کی تعلیم ہر ہفتہ ایک حکیمانہ ترتیب کے ساتھ ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے دروس کی شکل میں قریباً پاکستان گیر پیمانے پر گھر گھر پہنچ رہی تھی اور اس کے نہایت ہی تعمیری اور خوش گوار اثرات معاشرے پر مترتب ہو رہے تھے، لیکن بصد افسوس عرض کرنا پڑتا ہے کہ سوا سال بعد جب یہ نصاب نصف تک پہنچا تھا کہ اچانک بند کر دیا گیا ۔ جس سے تمام محبِّ دین حلقوں کو شدید صدمہ ہوا ۔

کراچی میں 'الھُدیٰ' کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت کی بدولت چند اہلِ خیر کے تعاون سے انگریزی ماہ کی ہر آخری سوموار (پیر) کو کراچی کے مشہور و معروف ہوٹل "تاج محل" کے موتی محل آڈیٹوریم میں بحمد اللہ ۲۹ر اکتوبر ۸۴ء سے 'شامِ الھُدیٰ' کا آغاز ہو گیا ہے ۔ راقم کی معلومات کی حد تک پورے پاکستان میں اس آڈیٹوریم سے زیادہ وسیع اور معیاری شاید ہی کوئی دوسرا آڈیٹوریم ہو۔ جو مالکان تاج محل ہوٹل نے بلا معاوضہ اس کام کے لئے پیش فرمایا ہے ۔ اس آڈیٹوریم میں بارہ سو چالیس نشستوں کا انتظام ہے ۔ بفضلہٖ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ تمام نشستیں وقت سے قبل پُر ہو گئیں بلکہ بعد میں سینکڑوں حضرات کو اسٹیج اور نشستوں کے درمیان نیم دائرہ میں جہاں قالین بچھا ہوا ہے وہاں بیٹھنا پڑا ۔ محتاط اندازہ یہ ہے کہ پندرہ سو سے زائد افراد نے اس 'شامِ الھُدیٰ' میں شرکت فرمائی ۔

اس 'شامِ الھُدیٰ' کے لئے کراچی کے تین روزناموں میں بزم کی طرف سے دو مرتبہ اشتہارات دیئے گئے نیز تین ہزار کے قریب دعوتی کارڈ مختلف حضرات کو ارسال کئے گئے تاج محل کے قریب سے گزرنے والی چار شاہراہوں پر بینر لگائے گئے ۔ شرکاء میں علمائے کرام، جج صاحبان، وکلاء حضرات، صنعت کار، تجار، نیز دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ

حضرات شریک تھے ان میں سے اکثر حضرات نے خطوط کے ذریعے درس کی افادیت، اسکی اثر پذیری اور اعلیٰ انتظام پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ آڈیٹوریم کی گیلری میں پردے کے مکمل اہتمام کے ساتھ خواتین کی نشست کا بھی انتظام تھا۔ خواتین کی تعداد بھی قریباً سوا دو سو باقاعدہ نشستوں سے کہیں زیادہ تھی اور بعض خواتین کو مختلف راستوں کی سیڑھیوں پر بیٹھنا پڑا۔ شریک خواتین کی تعداد کا محتاط اندازہ تین صد سے متجاوز ہے۔

آڈیٹوریم سے باہر داخلے کے راستوں کے ساتھ انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کی مطبوعات نیز ڈاکٹر صاحب موصوف کے دروس قرآن اور خطابات کے کیسٹوں کے اسٹال بھی لگائے گئے۔

مقررہ وقت یعنی ٹھیک سات بجے سورۃ العصر کی تلاوت سے اس مبارک و سعید مجلس کا آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد سب سے پہلے جناب بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) حامد جمیل صاحب نے بطور تعارف اس 'شام الہدیٰ' کے انعقاد کا حسب ذیل پس منظر و پیش منظر پیش فرمایا:

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرات و خواتین۔ السلام علیکم

اُمتِ مسلمہ صدیوں سے جس زوال اور پستی سے دوچار ہے اُسے اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو وہ ہے "قرآن حکیم سے مہجوری"، قرآن کی آفاقی تعلیمات سے دُوری۔ اس ہجران اور بُعد کا نتیجہ ہے ایمان میں ضعف و اضمحلال — اس کا علاج صرف یہ ہے کہ مسلمان اسی سرچشمۂ ہدایت اور منبعِ ایمان کی طرف رجوع کریں۔ بقول مولانا ظفر علی خاں مرحوم ؎

وہ جنس نہیں ایماں جسے لے آئیں کانِ فلسفہ ڈھونڈے سے ملے گی قاری کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

قرآن مجید کے علوم و معارف اور اس کے عِبَر و حِکَم، اس کے فطری طرزِ استدلال کو مسلمانانِ پاکستان کے ذہنوں اور دلوں میں اتارنے اور راسخ کرنے کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قرآن حکیم کے مطالعے کے لئے ایک منتخب نصاب مرتب کیا اور اسی کام کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی کہ دعوتِ رجوع الی القرآن کے ذریعے لوگوں کو قرآن کی معجزانہ تعلیمات

سے متعارف کرایا جائے ـــــ اور یہ سعی کی جائے کہ ان میں دین کے عملی تقاضے اور مطالبے پورا کرنے کے لئے ایک جذبہ، داعیہ اور ایک عزم و ارادہ جڑ پکڑے اور پروان چڑھے۔

پاکستان ٹی وی پر رمضان المبارک میں دو سال ڈاکٹر صاحب کے روزانہ پروگرام "الکتاب" اور پھر اگلے سال پروگرام "الٓمٓ" کی مقبولیت اور پسندیدگی کے پیش نظر ٹی وی کے اربابِ اختیار کی دعوت پر محترم ڈاکٹر صاحب نے "الہدیٰ" کے ٹائٹل کے تحت ہفتہ وار اپنے منتخب نصاب کا درس شروع کیا ـــ ایک تو خود قرآن حکیم کا معجزانہ اسلوب اور طرزِ استدلال۔ جس نے اپنے نزول کے زمانے میں عرب کے لوگوں کو جو اپنی مُصَقَّح وَ مُنَقَّح شاعری و خطابت پر انتہائی نازاں تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، عاجز اور دنگ کر دیا تھا اور آج تک قرآن کا یہ چیلنج موجود ہے کہ: اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ـــ "اے لوگو! اگر تم کو اس قرآن پر شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتارا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ"۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے محترم ڈاکٹر صاحب کو اپنی کتابِ مبین کا فہم اور اس کی تفہیم کا جو مؤثر انداز عطا فرمایا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلنا شروع ہوا کہ رفتہ رفتہ عوام و خواص کی توجہات اور ان کا التفات قرآن حکیم کی تعلیمات کی طرف مرتکز ہونے لگا۔ خاص طور پر ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے اذہان و قلوب قرآن کے معجزانہ اسلوب اور ڈاکٹر صاحب کے پُرتاثیر و مدلل اندازِ بیان سے مسخر ہونے لگے اور قرآن ذہنوں اور دلوں میں نفوذ کرنے لگا ـــ یہ خاکسار خود بھی ڈاکٹر صاحب اور انکی دعوت سے اسی الہدیٰ کے ذریعے متعارف ہوا ـــ مجھے علم ہے کہ ہمارے ملک کے اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات الہدیٰ کے پروگرام کے لئے اپنی دوسری مصروفیات کو ملتوی کر دیا کرتے تھے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ "الہدیٰ" کے پروگرام کے باعث ہمارے معاشرے کے ذہین افراد میں قرآنی تعلیمات نفوذ کر رہی تھیں اور بہت سے گھرانوں میں دینی ماحول پیدا ہو رہا تھا ـــ لیکن قوم کی بدقسمتی کہ یہ پروگرام عین اسوقت بند کر دیا گیا جبکہ وہ نصف تک پہنچا تھا ـــ اس بندش کو قریباً سوا دو سال گزر چکے ہیں اور بظاہر احوال اس کے دوبارہ اجراء کی کوئی امید نظر نہیں آتی ۔

بایں حالات کراچی کے بعض احباب نے طے کیا ہے کہ "الہدیٰ" کے پروگرام کے تسلسل کو جاری اور برقرار رکھنے کے لئے "شام الہدیٰ" کے نام سے کراچی میں ایک ماہانہ مجلس کا کسی مناسب مقام پر انعقاد کیا جایا کرے - محترم ڈاکٹر صاحب نے اس کے لئے انگریزی ماہ کی ہر آخری سوموار یعنی پیر کی شام کا وقت دینے کی منظوری عنایت فرمادی اور جناب منصور فیروزالدین بوبجہ صاحب مینجنگ ڈائریکٹر تاج محل ہوٹل نے اس کارِ خیر کے لئے بلا معاوضہ اس آڈیٹوریم کی بطور تعاون پیش کش فرمائی جس میں آج بفضلہ تعالیٰ "شامِ الہدیٰ" کی پہلی نشست منعقد ہو رہی ہے ۔۔ اس "شامِ الہدیٰ" کے جملہ انتظام و انصرام کے لئے ایک غیر رسمی حلقہ "بزمِ احبابِ الہدیٰ" کراچی کے نام سے قائم کیا گیا ہے - غیر رسمی سے مراد یہ ہے کہ اس بزم کے نہ کوئی قواعد وضوابط ہیں، نہ کوئی دستور ہے - نہ عہدے ہیں نہ انتخاب ہے - اس کا اوّلین مقصد خالص غیر جماعتی طور پر انگریزی ماہ کی ہر آخری پیر کو مغرب کے بعد "شامِ الہدیٰ" کا انعقاد ہے - ضرورت متقاضی ہوئی تو یہ حلقہ مزید درسِ قرآن کی مجالس بھی منعقد کرنے پر غور کر سکتا ہے ۔۔ اس خاکسار کے کاندھوں پر اس "بزمِ احبابِ الہدیٰ کراچی" کے خادم کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے - اللہ تعالیٰ اس خاکسار کی اس ذمّہ داری کو بحسن وخوبی ادا کرنے میں نصرت فرمائے ۔۔ اس "شامِ الہدیٰ" کے انعقاد کے جملہ مصارف متعدد خادمانِ قرآن حکیم کے مالی تعاون سے پورے کئے گئے ہیں - اللہ تعالیٰ ان تمام اصحابِ خیر کو اجر وثواب سے نوازے - ۔۔۔ اب جملہ شرکاء سے درخواست ہے کہ وہ نوٹ فرمالیں کہ ان شاء اللہ العزیز انگریزی ماہ کی ہر آخری سوموار (پیر) کو بعد نمازِ مغرب اسی مقام پر "شامِ الہدیٰ" کا انعقاد ہوا کرے گا - اس سلسلے کی دوسری نشست ۲۶ر نومبر کو منعقد ہوگی - آپ تمام حضرات وخواتین سے درخواست ہے کہ اس میں خود بھی شرکت فرمائیں اور اپنے حلقۂ احباب اور متعلقین کو بھی شرکت کی دعوت دے کر اس کارِ خیر میں تعاون فرمائیں -

مجھے احساس ہے کہ ان تعارفی کلمات کے باعث میں کافی دیر تک آپ کے

اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درمیان حائل رہا۔ اب میں ڈاکٹر صاحب موصوف سے درخواست کرتا ہوں کہ قرآن حکیم کے درس کا آغاز فرمائیں۔

والسلام مع الاکرام

محترم بریگیڈیر صاحب کے تعارفی کلمات کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے خطبہ مسنونہ کے ساتھ "سورۃ حجرات" کے درس کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بطور تمہید فرمایا

آج سے قریباً پندرہ سال قبل انہوں نے اس نقطۂ نظر سے مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب مرتب کیا تھا کہ قرآن مجید کے بعض مقامات سے ایک مسلمان کے سامنے یہ بات بالکل واضح طور پر آجائے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت قرآن مجید کی انقلابی دعوت، اس کا انقلابی پیغام اور فکر کیا ہے اور اس کا رب اُس سے کیا چاہتا ہے! گویا دین کے تقاضوں اور مطالبوں کا ایک اجمالی لیکن جامع تصور پیش کرنا اس کا اصل مقصود ہے۔ اس نصاب کی جڑ اور بنیاد سورۃ العصر ہے جس میں نجاتِ اُخروی کی چار ناگزیر شرائط کا بیان ہوا ہے۔ چونکہ سورۃ العصر میں اس نجات کے چار لوازم: ایمان، عمل صالح۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ نصاب اسی ترتیب سے قرآن حکیم کے بعض مقامات پر مشتمل ہے۔ عمل صالح بالفاظ دیگر انسان کی عملی زندگی کے ضمن میں آخر میں یہ بات بھی زیرِ بحث آئی ہے کہ ایک اسلامی ریاست کی تاسیس و تشکیل کن بنیادوں پر ہوتی ہے! اس ریاست کا مکمل شہری ہونے کی شرائط کیا ہیں! معاشرے کی شیرازہ بندی کے اصول کیا ہیں! وہ خرابیاں کونسی ہیں جن سے ایک اسلامی معاشرے کو بہرحال اجتناب ضروری ہے! اسلام اور ایمان کا فرق کیا ہے۔! اسلام کا آفاقی پیغام کیا ہے! پوری نوعِ انسانی میں باہم ربط و تعلق کی اساسات کون سی ہیں! ان تمام مباحث کے ذیل میں سورۃ حجرات عظیم سورت ہے۔ اسی سورت کے درس کی تکمیل کے بعد ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" بند ہوا تھا۔ لہٰذا اس 'شام الہدیٰ' کے لئے اس سورہ مبارکہ کے درس کو منتخب کیا گیا ہے۔ آئندہ اس منتخب نصاب کا وہ حصہ شروع ہو گا جو تواصی بالحق کے مباحث سے متعلق ہے جس میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے مضامین زیرِ درس آئیں گے۔ اس سلسلہ میں پہلا درس ان شاء اللہ نومبر ۸۴ء کی آخری سوموار کو اسی مقام

پر ہوگا۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد سورۂ حجرات کا درس شروع ہوا۔ بزم احباب الہدیٰ کی جانب سے اس سورہ مبارکہ کی سلائیڈ بنوالی گئی تھیں جو ایک بڑے اسکرین پر پروجیکٹر کے ذریعے درس کے ساتھ ساتھ دکھائی جارہی تھی۔ مزید براں اس سورہ مبارکہ کے مضامین کا محترم ڈاکٹر صاحب نے منتخب نصاب میں جو تجزیہ تحریر فرمایا ہے، بزم احباب الہدیٰ کی جانب سے اس کا پمفلٹ کو طبع کرالیا گیا تھا جو حاضرین میں تقسیم کیا گیا (یہ تجزیہ اس روداد کے آخر میں بھی شامل کیا جارہا ہے)۔

درس کے آغاز اور اختتام پر محترم ڈاکٹر صاحب نے مالکان تاج محل ہوٹل اور ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس شام الہدیٰ کے انعقاد میں مالی یا عملی تعاون کیا ہے۔ نیز فرمایا کہ ان شاء اللہ ان حضرات کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہو گا نیز ایسی مجالس کے ذریعے جو بھی خیر معاشرے میں پھیلے گا وہ اس کے انتظام کرنے والوں کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

یہ مجلس قریباً پونے تین گھنٹے تک جاری رہی۔ درس تو مزید دو گھنٹے کا تھا۔ لیکن درمیان میں اچانک ایمرجنسی فائر کے فیوز خراب ہوگئے قریباً تیس منٹ متبادل انتظام کی نذر ہوگئے اس دوران سامعین اپنی نشستوں پر تشریف فرما رہے۔ قریباً دس منٹ محترم بریگیڈیئر صاحب کے تعارفی کلمات میں صرف ہوئے۔ درس کے بعد ہوٹل ہی میں تعمیر شدہ مسجد میں صلوٰۃ عشاء ڈاکٹر صاحب موصوف کی اقتدار میں باجماعت ادا کی گئی۔

ایک خاص بات

بزم احباب الہدیٰ کے چند معاونین کی تجویز اور اصرار پر اس پورے درس کا رنگین ویڈیو کیسٹ بھی تیار کرالیا گیا ہے۔ یہ کیسٹ مبلغ تین سو روپے میں مندرجہ ذیل پتوں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ جو حضرات بذریعہ رجسٹرڈ پارسل منگانا چاہیں۔ ان سے گذارش ہے کہ تین سو روپے کا بنک ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا

جائے گا) یا بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں - لیسٹ بہت صاف اور صحیح طور پر تیار ہوا ہے -

۱ - نشر القرآن کیسٹ سیریز ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

۲ - شائننگ ٹریڈرز رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی ۱

تاثرات جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے - کہ اس "شام الہدیٰ" میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ حضرات کثیر تعداد میں شریک ہوئے تھے - متعدد حضرات نے اپنے تاثرات زبانی بھی بیان کئے اور تحریری طور پر بھی ارسال فرمائے - ایک مقتدر عالم دین کا یہ تاثر بھی معلوم ہوا کہ ان کی رائے میں ڈاکٹر صاحب کا یہ درس خاص طور پر علمائے کرام کے کسی اجتماع میں بھی ہونا چاہیئے - اس میں جو نکات بیان ہوئے ہیں ان میں علماء کے لئے رہنمائی کا پہلو بھی موجود ہے - انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے فہم قرآن حکیم پر نہ صرف اطمینان کا اظہار کیا بلکہ خراج تحسین بھی پیش فرمایا - خطوط میں سے صرف کراچی سپریم کورٹ کے ایڈووکیٹ عبدالقادر حسبانی کے انگریزی خط کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے

محترم بریگیڈیئر حامد جمیل صاحب!

گزشتہ شام تاج محل ہوٹل کے آڈیٹوریم میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درسِ قرآن کے موقع پر آپ کی جانب سے عمدہ انتظامات پر میں آپ کو اور آپ کے معاونین کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں - ڈاکٹر صاحب کا خطاب حد درجہ بصیرت افروز اور اس درجہ جامع تھا کہ مجھے یقین ہے اس خطاب نے ہال میں موجود معاشرے کے مختلف طبقات کے تعلیم یافتہ (INTELLECT-UALS) افراد جن میں مرد، عورتیں اور بوڑھے جوان شامل تھے، سب کو بھرپور طور پر متاثر کیا - اس موقع پر خواتین کے لئے جو باپردہ انتظام کیا گیا وہ یقیناً قابل تعریف ہے - اس ضمن میں میرے اہلِ خانہ آپ کے ممنونِ احسان ہیں -

خدا کرے کہ یہ بزم (احبابِ الہدیٰ) اسی طور پر کھلے ذہن اور مجاہدانہ جذبے کیساتھ اپنے مقاصد کے حصول کی کاوش جاری رکھے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ قرآن کی جانب متوجہ ہوں اور قرآن کی زبان اور اس کا مفہوم اپنے صحیح سیاق میں لوگوں کے سامنے آسکے۔

آپ کا خیرخواہ

عبدالقادر جیلانی

(ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان)

بقیہ: علماء کرام کے لئے توجہ طلب مسئلہ

میں تفصیلی یا اجمالی ہدایت موجود ہے۔ اجمالی ہدایت کا مطلب یہ کہ قرآن وحدیث میں ہر شعبۂ زندگی سے متعلق ایسے اصول کلیہ تمام و کمال موجود ہیں جن کی روشنی میں ہر نئے جزوی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ جائز ہے یا ناجائز اور جائز ہے تو کس درجہ کا اور ناجائز ہے تو کس درجہ کا، لہٰذا مسئلہ زیر بحث کا شرعی حکم جاننے، اور اس کی حیثیت متعین کرنے میں فقہی مواد کے ساتھ ان اصول و مبادی کا بھی ضرور لحاظ رکھا جائے جو معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن و حدیث میں ہیں، اگر فقہی آراء و اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہو تو اُس رائے اور قول پر اعتماد کیا جائے جو قرآن وحدیث کے اصول و مقاصد سے واضح مطابقت رکھتا ہو بلکہ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ استدلال میں کسی فقہی جزئیے کلیے کو پیش کرنے کی بجائے قرآن و حدیث کی وہ نص پیش کی جائے جس سے وہ جزئیہ کلیہ اخذ کیا گیا ہے تاکہ ذہنوں پر قرآن وحدیث کی عظمت قائم ہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا جذبہ دلوں میں اُبھرے۔ نیز مسلمانوں کے اس بلند بانگ دعوے کا ثبوت فراہم ہو کہ قرآن وحدیث میں حیاتِ انسانی کے ہر مسئلہ کے متعلق ہدایت و روشنی موجود ہے۔

افکار و آراء

اس مستقل عنوان کے تحت شائع ہونیوالے افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں !!

امیرِ محترم کے خطاب شائع شدہ "میثاق" ستمبر ۸۴ء پر معاصر ہفت روزہ "چٹان" لاہور میں شائع شدہ "گفتنی نگفتنی" کا ایک اقتباس!

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہمارے ملک کی معروف شخصیت ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کہنا چاہیئے کہ وہ متنازعہ شخصیت بھی ہیں اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں زندہ اور متحرک دنیا میں ایسا ہونا لازمی امر ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسلامی جمعیت طلبہ کے اسٹیج سے اُبھر کر جماعتِ اسلامی میں آئے اور نہایت چھوٹی عمر میں جماعت میں اہم مقام حاصل کیا۔ حتیٰ کہ ایک اسٹیج پر اجلاس ماچھی گوٹھ میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ جماعت سے الگ ہوئے۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ اس اجلاس میں سب سے مؤثر مقالہ ڈاکٹر صاحب نے پڑھا جس میں مرکزی قیادت سے اپنے اختلاف کا ذکر کیا۔ جماعت سے علیحدگی کے بعد وہ ایک عرصہ تو اس کوشش میں رہے کہ جماعت سے الگ ہونے والے اکابر و اصاغر کو ساتھ لے کر ایک نئی تنظیم کھڑی کریں[1] لیکن جب اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے مرکزی انجمن خدام القرآن کی بنا ڈالی جس نے کہنا چاہیئے کہ رجوع الی القرآن کی خاصی تحریک پیدا کی اور کوئی ہزارا اختلاف کرے، اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ درسِ قرآن وغیرہ کے حوالہ سے ڈاکٹر صاحب نے خاصی تعداد میں لوگوں کو متاثر کیا اور ملک کے مختلف شہروں میں بڑی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو بڑے اشتیاق سے ان کے پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے گذشتہ رمضان کے دو جمعوں میں مسجد دارالسلام باغِ جناح (لارنس گارڈن) میں جو خطبے ارشاد فرمائے انہیں کیسٹ سے منتقل کر کے ان کے ماہنامہ "میثاق" کی اشاعت ستمبر ۱۹۸۴ء

---

[1] معاصر محترم کو مغالطہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس امر کے خواہشمند بھی تھے اور کوشاں بھی کہ جماعت اسلامی کے طریقِ کار اور پالیسی سے اختلاف کے باعث علیحدہ ہونے والے اکابر صحیح خطوط پر کوئی جماعت قائم کریں تاکہ موصوف اس میں بحیثیت ایک کارکن اپنے دینی فرائض بجا لائیں۔ جب قریباً پندرہ سولہ سال تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو پھر ڈاکٹر صاحب نے از خود تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ (مرتب)

میں شائع ہوئے ہیں ان خطبات کا عنوان ہے " قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات اور ان کے بارے میں علماء کرام کے خدشات " یہ طویل خطاب ڈاکٹر صاحب کے معرکۃ الآراء خطابات میں سے ایک ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے برعظیم ہند و پاکستان کے حوالہ سے قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات، اس عنوان سے کام کرنے والی شخصیات، ان کے متعلق علماء کرام کا ردِ عمل اور پھر ان تحریکات و شخصیات کے انجام پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے اس ضمن میں سب سے پہلے سرسید احمد کا ذکر ہے۔

جنہوں نے قرآن عزیز کے ایک حصہ کی تفسیر لکھ کر بعض مسلّمہ حقیقتوں کا انکار کیا تھا علماءِ کرام کے ان سے اختلافات انہی وجوہ کی بنا پر تھے جنہیں یار لوگوں نے کئی رنگ دیئے اور علماء کے ذمہ یہ بات لگائی کہ وہ جدید تعلیم کے خلاف ہیں، یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ بعض حضرات کی سرسید احمد خان سے خط و کتابت چھپ گئی اور کچھ گرد و غبار چھٹ گیا پھر یہ بھی خوبی کی بات ہے کہ سرسید احمد خان نے اس عنوان سے کوئی جماعت یا تحریک نہ اٹھائی بلکہ کالج و یونیورسٹی کی تعمیر و ترقی میں لگے رہے اور بالآخر اس کے ایک کونہ میں ابدی نیند سو گئے۔ چند افراد کا ان کے افکار سے متاثر ہونا ایک الگ مسئلہ ہے ان کے بعد اہلِ قرآن کا عنوان قائم کر کے کئی ایک لوگ اٹھے انہوں نے باقاعدہ تحریکیں کھڑی کیں جن میں سے بھونڈی اور مکروہ شکل ہمارے دور کے پرویز صاحب کی ہے جو سول سروس کی ملازمت کرتے کرتے مفسرِ قرآن بن گئے اور ایک مستقل فرقہ کی بنیاد ڈالی۔ اب وہ نبی کریم علیہ السلام کو رسول تو مانتے ہیں مطاع نہیں مانتے اور آپ کے ارشادات کو عجمی سازش سے تعبیر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس خطاب میں ایسی متفرق شخصیات اور ان کی تحریکوں کا ذکر کر کے علمائے حق کے خدشات کو کسی درجہ میں صحیح قرار دیا ہے اور اپنے بارے میں واضح کیا ہے کہ وہ قرآن کے خادم ہیں انہیں علم و فضل کا کوئی دعویٰ نہیں اور یہ کہ وہ علمائے کرام سے کسب و استفادہ اور تعلق اپنے لئے ضروری جانتے ہیں۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ "قرآن مجید کے مسلمانوں پر حقوق" نامی اپنے رسالہ کا ایک نسخہ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی خدمت میں اس نقطہ نظر سے پیش کیا۔ کہ حضرت مولانا اسے ملاحظہ فرما کر اگر کوئی چیز قابلِ اصلاح ہے تو اس کی اصلاح کر دیں۔ مولانا نے مسجد نبویؐ میں بحالت اعتکاف اسے پڑھا اور صرف ایک جملہ کی ترمیم فرمائی ڈاکٹر صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا کی اس ترمیم سے وہ جملہ مزید نکھر گیا اور میرا جو مفہوم تھا وہ اور واضح ہو گیا۔

ویسے انجمن خدام القرآن کے محاضرات میں سال بہ سال ہندوستان اور پاکستان کے جید علماءِ کرام کو بلانا بھی ان کی عادت ہے اور اپنے دعوتی افکار میں مختلف شہروں کے اہلِ علم کے پاس وقت نکال کر جانا بھی ہمیں معلوم ہوا ہے

یہ روایات بہرحال اچھی ہیں اور توقع کی جا سکتی ہے کہ اس طرح ان کا ایک گونہ تعلق علماءِ حق

سے رہے گا اور علماءِ کرام سے بھی درخواست ہے کہ وہ کوئی نقص یا کمی محسوس فرمائیں تو صاحبِ واقعہ سے رابطہ کر کے بات صاف کرنے کی کوشش کریں کہ اصل دین یہی ہے، محض سنی سنائی باتوں پر بدگمانی صحیح نہیں اللہ تعالیٰ خدامُ القرآن، وہ جہاں بھی ہوں، انہیں اپنی تائید و نصرت سے نوازے!

ماہنامہ میثاق اگست ۸۴ء کے شمارے پر ہفت روزہ

تنظیم اہلحدیث لاہور کا تبصرہ

جناب غلام احمد پرویز نے قرآن مجید کے نام پر ایک تحریک چلائی ہے۔ لیکن موصوف نے قرآن کے نام پر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا کرنے کا عمل بھی جاری رکھا ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر صاحب موصوف نے بھی اپنی تنظیم کا ہدف "قرآن حمید اور اس کی تعلیمات" کی اشاعت کو بنایا ہے۔ لیکن درمیان سے احادیث کو اٹھا نہیں دیا۔ ہاں تدبرِ قرآن کے مؤلف کے چرکوں کا سلسلہ کچھ عرصہ سے جاری ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر موصوف کو ان کی خراشوں سے محفوظ رکھے۔ حالیہ شمارہ میں سرسید، پرویز، مرزا اور مولانا اصلاحی صاحب وغیرہ کا تجزیہ بھی کیا ہے جو ہمارے لئے حوصلہ افزا ہے۔

"میثاق" کے حالیہ دونوں شماروں میں ڈاکٹر موصوف کا ایک مقالہ "جہاد بالقرآن" شائع کیا گیا ہے جو نہایت اہم، معلوماتی اور بصیرت افروز ہے۔ یہ مقالہ انہوں نے انجمن خدام القرآن لاہور کے چھٹے سالانہ محاضراتِ قرآنی کے اختتامی اجلاس میں ۲۵ مارچ کو پڑھا تھا جس کی صدارت علامہ سعید احمد اکبرآبادی زادہ اللہ تشریفاً و تکریماً نے کی تھی۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے ٹیلیویژن کے دروس بھی شائع ہو رہے ہیں جو خاصے اہم ہیں اور ان سے حالات اور وقت کے مناسب راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے خدمتِ قرآن کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کو حدیث پاک سے آزاد نہیں رکھا اور قرآن کی جو تفسیر پیش فرما رہے ہیں، ان کی تفصیلی کڑیاں ہیں۔ اگرچہ کچھ جھول محسوس ہوتا بھی ہے تو وہ موصوف کی باتوں کی جزوی حیثیت ہے۔ ایسا اختلاف اہلِ علم کے علمی سفر میں آ ہی جاتا ہے۔

ماہنامہ میثاق کا مطالعہ قرآن حمید کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اور احادیث پاک کی تعبیر اور توجیہ کے لئے ایک نیا اسلوب بیان مہیا کرتا ہے۔ جو فی الحال قابلِ برداشت ہے۔

بالخصوص عصرِ حاضر کے مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے لئے ایک سلیقہ پیش کرتا ہے، جس کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیئے۔ لیکن موصوف خاصے فطین اور ذہین ہیں اور نہایت برق رفتاری سے دوڑ رہے ہیں۔ اس لئے علماءِ حق کو ان پر کڑی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اب تک بیشتر ذہین

اور شوخ ذہنوں کا انجام بالآخر خلاف توقع بر آمد ہوا ہے۔ اگر وقت پر ان کا احتساب جاری رہا تو امید ہے کہ یہ اکسیر اکسیر ثابت ہوگی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ !

محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی دیوبند (بھارت) کے ایک حالیہ مکتوب کا ایک اقتباس

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس زمانے میں ہندوستان آئے جب کہ میں خود پاکستان میں تھا۔ (مراد ہے ڈاکٹر صاحب کا حیدر آباد دکن، دہلی اور علی گڑھ کا اپریل ۸۴ء کا دورہ) دہلی سے ڈاکٹر صاحب کا ورود مسعود علی گڑھ میں بھی ہوا اور جیسا کہ مجھ کو علی گڑھ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت و خطابات سے علی گڑھ کے لوگ کافی محظوظ ہوئے ۔ فجزاہ اللہ ۔ خدام القرآن کے جلسہ میں میں نے جو تقریر مولٰنا ابوالکلام آزاد پر کی تھی وہ "حکمتِ قرآن" میں چھاپ دی گئی ہے۔ علی گڑھ میں اسے کئی اربابِ علم نے پڑھا اور پسند کیا۔ آج کل جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو بعض حضرات کی طرف سے مخالفت کا سامنا درپیش ہے۔ لیکن ہر وہ شخص جب کوئی تحریک شروع کرتا ہے۔ ابتداً اسے ان حالات سے گزرنا ناگزیر ہے۔ وفقنا اللہ جمیعا لما یحب ویرضٰی ۔ والسّلام ! ●●●

سیرت نبوی کے ضمن میں دو عظیم تحفے

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے ـــ اعلیٰ و دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ

☆ رسول کامل ☆

یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور

فرائض دینی اور اسوۂ رسول

سورۂ احزاب رکوع ۲، ۳ کی روشنی میں

روپے فی کتاب ۔ محصول ڈاک علاوہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶ ۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون ـــ ۸۵۲۶۱۱

رفتارِ کار

امیرِ تنظیمِ اسلامی کا دورۂ پشاور

امیرِ محترم اپنے حالیہ دورۂ پشاور کے سلسلے میں نو اکتوبر کو رات نو بجے پشاور پہنچے تو ہوائی اڈے پر رفقاء کے علاوہ ان کے پشاور میں میزبان حاجی عبدالرشید صاحب بھی استقبال کے لئے موجود تھے۔

اس دورے میں امیرِ محترم کے ہمراہ نائب امیرِ تنظیمِ اسلامی جناب قمر سعید قریشی صاحب بھی تھے۔

امیرِ محترم کا قیام اس مرتبہ بھی حسبِ سابق حاجی عبدالرشید صاحب کے ہاں تھا۔ امیرِ محترم کے اس دورے کی تشہیر کے سلسلے میں مقامی تنظیم نے بھرپور کوشش کی اخبارات میں خبریں شائع کروائی گئیں جبکہ شہر اور یونیورسٹی کے نمایاں مقامات پر پوسٹرز اور بینرز بھی لگائے گئے تھے۔

مزید برآں حاجی عبدالرشید صاحب نے دو مقامی اخبارات میں باقاعدہ اشتہارات بھی شائع کروائے۔

امیرِ محترم کی پشاور میں آمد کے دوسرے دن یعنی دس اکتوبر کو دو اجتماعاتِ خصوصی برائے رفقاء منعقد ہوئے۔ جس میں تقریباً تمام رفقاء نے شرکت کی۔

یہ اجتماعات صبح نو بجے اور پھر بعد از نمازِ ظہر دو بجے منعقد ہوئے جن میں قمر سعید قریشی صاحب نے رفقاء کو تنظیمی امور کے بارے میں ہدایات دیں اور معمولی ردّ و بدل کے بعد مقامی تنظیم کو چار اُسروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ امیرِ محترم کے کے حالیہ درس کا موضوع " جہاد بالقرآن " تھا جبکہ اس سلسلے میں اجتماع کا انتظام ایک مقامی ہوٹل کے ہال میں کیا گیا تھا۔

امیرِ محترم کے درس کے لئے بعد از نمازِ مغرب کا وقت طے پایا تھا لیکن عین موقع پر بجلی کے چلے جانے کی وجہ سے درس کچھ تاخیر سے شروع ہوا۔

امیرِ محترم نے اپنے درس کا آغاز سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۵۲ کی تلاوت سے کیا اور جیسا کہ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو حکم دیا کہ " اے نبیؐ ان کافروں کا کہا ہرگز نہ مانئے اور ان کے ساتھ مجاہدہ کیجیے ، کشمکش کیجیے۔ اس قرآن کے ذریعے سخت مجاہدہ اور شدید کشمکش " امیرِ محترم نے اسی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ چند اسلامی اصطلاحات آج کل کے اسلامی معاشرے میں اس طرح گڈمڈ ہو گئیں ہیں کہ سب سے پہلے ان کی وضاحت انتہائی توجہ طلب ہے اس ضمن میں لفظ جہاد انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس لفظ کے بارے میں عوام الناس اور اہلِ علم دونوں کے ذہنوں میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں جس کی خاص وجوہات مسلمانوں کا مغربی استعمار کے براہِ راست غلامی میں آنا اور پھر آج کل مغرب کا اسلام کے خلاف انتہائی مؤثر پروپیگنڈا اور مسلمانوں کی ذہنی اور فکری غلامی ہیں۔

امیرِ محترم نے لفظ جہاد کی تشریح میں فرمایا کہ ماضیٔ قریب میں جب مسلمان براہِ راست محکوم تھے نہ صرف سیاسی بلکہ ذہنی اور فکری اعتبار سے بھی تو اس وقت اہلِ مغرب کی طرف سے ہم پر جہاد کے حوالے سے بڑے جارحانہ حملے ہوئے اور کہا گیا کہ یہ

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانے سے

چنانچہ ہم نے اس کے جواب میں بہت معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا۔

دوسری بات یہ کہ ذہنوں میں یہ مغالطہ بٹھایا گیا کہ جہاد کے معنی "جنگ" ہیں اس میں اغیار اور اپنوں کی مشترکہ کارستانیاں شامل کار رہیں جبکہ قرآن و مستقل اصطلاحات استعمال کر رہا ہے یعنی "جہاد فی سبیل اللہ" اور "قتال فی سبیل اللہ" لہٰذا عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ جہاد کے معنی ہیں جنگ۔ تیسری بات یہ کہ ظاہر ہے کہ جنگ ہر وقت اور ہمیشہ تو نہیں ہوتی لہٰذا جہاد فرض کفایہ رہ گیا اور فرض عین کی فہرست سے خارج ہو گیا۔

چوتھی بات یہ کہ مسلمان جب بھی جنگ کرے گا گویا وہ جہاد فی سبیل اللہ کر رہا ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان ذاتی حیثیت میں جہاں فاجر و فاسق ہو سکتا ہے۔ وہاں ظالم بھی ہو سکتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کوئی حکمران جو فاجر و فاسق اور ظالم ہو وہ ناحق جنگ بھی کر سکتا ہے جس میں اس کا مقصد اپنی سلطنت کی توسیع اور اقتدار کی پائیداری ہو اور دین کی کوئی خدمت پیش نظر نہ ہو تو ایسی جنگ کبھی بھی جہاد نہیں کہلا سکتی۔

مندرجہ بالا وضاحتوں کے بعد امیر محترم نے فرمایا کہ جہاد کی دو بنیادی منازل کے بارے میں آج میں وضاحت کروں گا جبکہ بقیہ بات ان شاء اللہ آئندہ کبھی بیان کی جائے گی۔

امیر محترم نے فرمایا کہ پہلی منزل ہے خود اللہ کا بندہ بننا اور یہ بندگی ہمہ وقت ہمہ وجوہ اور ہمہ تن ہو گی۔ یہ جزوی نہیں ہو گی اور اس کے لئے دین میں چار اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں پہلی اسلام یعنی سر تسلیم خم کرنا دوسری اطاعت یعنی مقاومت و مدافعت ترک کر کے برضا و خوشی فرمانبرداری قبول کر لینا۔ تیسری تقویٰ اللہ کے احکام کو توڑنے سے بچنا۔ اس کی نافرمانی سے باز رہنا۔ اطاعت و تقویٰ میں مثبت و منفی رویہ سامنے آتا ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔

چوتھی اور آخری جامع ترین اصطلاح ہے عبادت۔ اس میں اسلام، اطاعت اور تقویٰ کے تمام مفاہیم آگئے ان اصطلاحات کی وضاحت کے بعد امیر محترم نے فرمایا کہ اس پہلی منزل پر کشمکش کرنی ہو گی اپنے نفس کے خلاف اور اسے ہی حضورؐ نے افضل الجہاد قرار دیا ہے۔ دوسری منزل ہے اس دین کو عام کرنا یعنی لوگوں تک پہنچانا۔ اسے پھیلانا اس منزل کے لئے جامع ترین اصطلاح ہے شہادۃ علی الناس۔ یعنی لوگوں پر حق کی گواہی دینا۔

امیر محترم نے فرمایا کہ یہ دونوں منازل طے کی جائیں گی۔ قرآن کی مدد سے اسی کے سہارے۔ کیونکہ قرآن ہی وہ مؤثر اور کارگر ہتھیار ہے جس سے نفس امارہ کو کچلا جا سکتا ہے اور قرآن ہی وہ نظری اور حقیقی دلائل پیش کرتا ہے جس سے آپ لوگوں پر شہادۃ علی الناس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں قرآن ہی کی مدد سے اپنے نفس اور باطل نظریات کے خلاف ایک بڑا جہاد کرنا ہو گا۔

امیر محترم کا یہ خطاب سننے کے لئے کم و بیش سات سو افراد موجود تھے جنہوں نے بڑی توجہ سے امیر محترم کا یہ درس سنا۔

درس کے خاتمے پر تمام شرکاء نے امیر محترم کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کی۔

دوسرے روز نو بجے سوال و جواب کی نشست ہوئی جس میں تقریباً ۴۰ لوگوں نے شرکت کی اور مختلف نوعیت کے

سوال پوچھے جن کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے۔
آخر میں چند افراد نے امیرِ محترم کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اس طرح پشاور میں رفقاء کی تعداد ۳۸ ہوگئی۔ نئے رفقاء کو امیرِ محترم نے چند ضروری امور کے بارے میں ہدایات دیں۔
سہ پہر چار بجے قمر سعید صاحب قریشی ایبٹ آباد کے لئے روانہ ہوگئے جبکہ امیرِ محترم پانچ بجے پشاور سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے اور اس طرح امیرِ محترم کا یہ دورہ بفضلہٖ تعالیٰ اختتام کو پہنچا۔
تحریر کردہ ــــــــــ راجہ سرداراحمد، قیم تنظیمِ اسلامی پشاور

امیرِ تنظیمِ اسلامی کا دورۂ سوات و دیر

امیرِ محترم ماہِ ستمبر میں طے شدہ پروگرام کے مطابق بوجہ اچانک علالت مالاکنڈ ڈویژن کا مجوزہ دورہ نہ کر سکے۔ تاہم سوات اور دیر سے مسلسل دعوت آنے کی وجہ سے معمولی حالت سنبھلنے پر امیرِ محترم نے ان علاقوں کیلئے دورہ کا قصد فرمایا۔ حالانکہ ڈاکٹروں کی ہدایت کی رو سے انہیں سڑک کے ذریعے طویل سفر کی اجازت نہ تھی۔ تاہم جس طرح دعوتِ دین کا جذبہ انہیں شہر شہر اور دیس دیس لئے پھرتا ہے اسی کے تحت ۱۴ اکتوبر بروز اتوار وہ بذریعہ ہوائی جہاز تقریباً ۲ بجے منگورہ پہنچے۔
منگورہ کے ایک متمول تاجر جناب عبدالباری صاحب کا کافی عرصہ سے تقاضا تھا کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد اہالیانِ منگورہ کو اپنی دعوت سے متعارف کروانے کے لئے وہاں تشریف لائیں۔ پہلے ۱۰ اور ۱۱ ستمبر کو دورۂ منگورہ کا پروگرام طے ہوا تھا لیکن اس دورہ سے چند روز قبل جبکہ جناب عبدالباری صاحب اس پروگرام کی بھرپور تشہیر کر چکے تھے محترم ڈاکٹر صاحب کی اچانک شدید علالت کے باعث یہ دورہ منسوخ کرنا پڑا۔ ڈاکٹر صاحب محترم کو اہالیانِ منگورہ کے جذبات کا شدت سے احساس تھا۔ چنانچہ جیسے ہی طبیعت قدرے بحال ہوئی آپ نے دورۂ منگورہ کے لئے ۱۴ اور ۱۵ اکتوبر کی تاریخیں متعین فرمادیں۔
راقم الحروف کا جناب عبدالباری صاحب سے غالباً ۱۹۸۲ میں اس وقت تعارف ہوا جب انہوں نے محترم ڈاکٹر صاحب کی تالیف "تحریکِ جماعتِ اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ" بذریعہ خط طلب فرمائی۔ اس کے بعد موصوف لاہور آنے پر قرآن اکیڈمی بھی تشریف لائے۔ اور اس طرح ملاقات ہوئی جیسے ہم دونوں برسوں سے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ دراصل مقصد کا اشتراک مادی فاصلوں کو ختم کرکے ذہنی اور قلبی قربت پیدا کر دیتا ہے۔
راقم اسی دورروزہ پروگرام کے انتظامات کا جائزہ لینے کے سلسلے میں ایک روز قبل ہی یعنی ۱۳۔ اکتوبر کو منگورہ پہنچ گیا۔ الحمدللہ جناب عبدالباری صاحب نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے تمام انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ تاہم موصوف مجھے ساتھ لے کر اپنے مختلف ساتھیوں سے ملاقات کے لئے گئے اور انتظامات کو دوبارہ جانچ لیا گیا۔
شام کو جناب عبدالباری صاحب کے مکان پر ان کے احباب ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ راقم نے انہیں محترم ڈاکٹر صاحب کی کتب اور کیسٹس سے متعارف کروایا چنانچہ کتابوں کے چار مکمل سیٹ اور کچھ کیسٹس ان حضرات نے خرید لئے۔

اگلے روز بعد دوپہر سوا دو بجے امیرِ تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو بذریعہ ہوائی جہاز منگورہ پہنچنا تھا۔ چنانچہ راقم، عبدالباری صاحب اور دیگر معززینِ شہر چار پانچ گاڑیوں میں ڈاکٹر صاحب کے استقبال کے لئے سیدو شریف ائیرپورٹ پہنچے۔ اس دن وادیِ سوات کا موسم انتہائی خوشگوار تھا۔ نیلگوں آسمان پر کہیں بادل نظر نہیں آرہے تھے فضا بھی بہت صاف ستھری تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے امیرِ تنظیم اسلامی کے استقبال کے لیے فضا کو خاص طور پر صاف کیا گیا ہو۔ ٹھیک سوا دو بجے پی آئی اے کا فوکر طیارہ سیدو شریف ائیرپورٹ پر اترا۔ استقبال کرنے والوں کی نگاہیں جہاز کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی محترم ڈاکٹر صاحب دروازے پر نمودار ہوئے استقبال کیلئے آنے والوں کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے۔ سینیئر نائب امیر محترم قمر سعید قریشی صاحب بھی ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف جیسے ہی ائیرپورٹ لاؤنج میں داخل ہوئے معززینِ شہر نے انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ امیرِ تنظیم اسلامی سوات کے لوگوں تک دین کی انقلابی دعوت پہنچانے کے لئے تشریف لائے تھے۔

ائیرپورٹ سے سیدھے جناب عبدالباری صاحب کے مکان پر پہنچے۔ جہاں موصوف نے استقبال کے لئے جانے والے تمام حضرات کے لئے کھانے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا۔ پھر بعد نمازِ عصر پروگرام کے مطابق جناب عبدالباری صاحب کے مکان پر ہی عام ملاقات کی نشست ہوئی جو نمازِ مغرب تک جاری رہی۔ دور دور سے آنے والے بہت سے حضرات نے مختلف موضوعات پر سوالات کئے۔ محترم امیرِ تنظیم نے انتہائی سکون کے ساتھ تمام سوالات کے جواب دیئے۔ نمازِ مغرب کے بعد بھی مختلف حضرات ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے۔ اس نشست میں مردان سے علماءِ اسلام ضلع مردان کے سیکرٹری ڈاکٹر غلام قادر صاحب، دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف کے نائب صدر مدرس مولانا کفایت اللہ صاحب اور دیگر معززینِ شہر نے شرکت کی۔ قصبہ بُنیر سے بھی ایک صاحب نے اس نشست میں شرکت کی اور ڈاکٹر صاحب کو بنیر آنے کی دعوت دی۔

پروگرام کے مطابق بعد نمازِ عشاء جامع مسجد شیر زادہ خان (مرحوم) میں فریضہ اقامتِ دین اور اس کے لوازم کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے خطاب فرمایا جو سوا دو گھنٹے تک جاری رہا۔ مسجد اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگیٔ داماں کا سماں پیش کر رہی تھی۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا کہ نہ صرف مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی بلکہ دونوں اطراف کی گلیاں اور مین سڑک میں لوگوں کا جمِ غفیر ڈاکٹر صاحب موصوف کی تقریر سننے کے لئے موجود تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے خطاب سے قبل جناب حبیب الرحمٰن صاحب (ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر مالاکنڈ) نے پشتو زبان میں اپنے افتتاحی کلمات کا آغاز علامہ مرحوم کے ان اشعار سے کیا۔

وہ سحر جو کبھی فردا ہے اور کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود!
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مشن کا مختصر تعارف کر دایا۔ ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے اختتام پر مولانا کفایت اللہ صاحب نائب صدر مدرس دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف نے دعا سے قبل ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کو ایک تاریخی تقریر قرار دیا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو ان کے مشن میں کامیاب فرمائے۔ انہوں نے بعد میں ایک ملاقات میں اپنے بھرپور تعاون کا یقین بھی دلایا۔ اگلے روز صبح ۹ بجے عبدالباری صاحب کے مکان کے پاس مسجد دعوتِ اسلام میں سوال جواب کی نشست ہوئی جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے تمام سوالات کے جواب دیئے۔ پشاور کے روزنامہ جدت کا مقامی نمائندہ بھی اس نشست میں شریک تھا۔ اس نے بھی بہت سے سوالات کئے اور جواب حاصل کئے۔

اس نشست سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب موصوف بار ایسوسی ایشن میں خطاب کے لئے تشریف لے گئے۔ ایسوسی ایشن کے نمائندوں نے ڈاکٹر صاحب کے گلے میں ہار ڈال کر استقبال کیا۔ ہال وکلاء سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ محترم امیرِ تنظیم نے "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر تقریباً سوا گھنٹہ خطاب فرمایا۔ اور اس کے بعد وکلاء کو سوالات کرنے کا موقع دیا گیا۔ بہت سے وکلاء نے موضوع سے متعلق سوالات کئے جن کے ڈاکٹر صاحب نے بہت ہی مدلل جواب دیئے۔ اس نشست کے بعد بار ایسوسی ایشن والوں کی طرف سے پُرتکلف چائے پیش کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب محترم یہاں سے فارغ ہونے کے بعد واپس عبدالباری کے مکان پر تشریف لائے۔ دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز اور کھانے سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب دیر، باجوڑ اور تیمرگرہ کے دورہ کے لئے روانہ ہوئے اور جناب عبدالباری صاحب کے ہمراہ ان کی گاڑی میں دیر تشریف لے گئے۔

(مرتبہ: عبدالرزاق نائب امیر تنظیم لاہور)

دیر: منگورہ سوات سے ۱۵ اکتوبر بروز پیر تقریباً ۲ بجے بعد از دوپہر امیر محترم ہمارے میزبان جناب حاجی عبدالباری صاحب کی معیت میں دیر کے لئے براستہ چک درہ روانہ ہوئے۔ منگورہ اور دیر کا درمیانی فاصلہ کوئی ۱۵۲ کلومیٹر کے لگ بھگ ہے۔ جناب عبدالباری صاحب منگورہ کی ایک معروف شخصیت ہیں اور دینی کاموں کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ان کی صبح شام سے یہ بالکل مترشح ہے کہ وہ اقامتِ دین کے لئے ایک درد اور آرزو دل میں لئے ہوئے رو بہ عمل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امیر محترم کے دورۂ سوات کی کامیابی میں جناب عبدالباری صاحب کے خلوص کا بڑا عمل دخل تھا۔ تیمرگرہ سے ہوتے ہوئے ہم نے ضلع دیر کے ایک وسطی گاؤں رزاگرام میں دریائے پنجکوڑہ کے کنارے امیرِ محترم کی امامت میں نمازِ عصر ادا کی۔ اگرچہ سفر قدرے سخت اور لمبا تھا تاہم امیر محترم اور ان کے رفقاء وادیٔ دیر کے مخصوص جغرافیائی حالات اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اس سفر میں راقم کے علاوہ جناب عبدالباری صاحب، ان کے ایک ساتھی المعروف "جاجا" اور جناب قمر سعید قریشی امیر محترم کے ہمراہ تھے۔ ہمارے دو رفقاء جناب سردار احمد اور راجم صاحب ایک دوسری گاڑی میں پہلے ہی سے مکتبہ کے ساتھ دیر روانہ ہو چکے تھے۔ دیر سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر نیچے بیری کے مقام پر لب سڑک واقع مسجد میں نمازِ مغرب ادا کی اور پھر دیر کے لئے روانہ ہوئے۔ شام ساڑھے چھ بجے دیر گاؤں پہنچ گئے۔ جب ہماری گاڑی ہمارے میزبان جناب حاجی طوطی الرحمٰن اور حاجی حبیب الرحمٰن صاحب کے حجرہ میں داخل ہو گئی تو اراکین انتظامی کمیٹی جو عصر ہی سے

منتظر تھے دیوانہ وار امیر محترم کی جانب لپکے۔ یہاں یہ ذکر کرتا جاؤں کہ دیر کے لئے امیر محترم کے لئے دعوت کافی پہلے سے تھی اور اس میں چند نوجوان بہت آگے تھے۔ چنانچہ انہیں میں سے امیر محترم کے دورہ کے تمام انتظامات کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنوائی گئی تھی۔ انہی نوجوانوں نے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اس کمیٹی میں شامل حضرات نے نہایت خلوص کے ساتھ دن رات کام کیا اور پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرایا۔ گاڑی سے اترتے ہوئے کمیٹی کے سب سے فعال رکن جناب محمد افضل خان صاحب مدینہ کلاتھ ہاؤس والے آگے بڑھے اور محترم ڈاکٹر صاحب کیساتھ معانقہ کیا۔ اسی طرح تمام حضرات بغلگیر ہوتے رہے۔ ان احباب میں جناب شیر بہادر خان صاحب، جناب سید علی شاہ صاحب، جناب شریف احمد صاحب، جناب مصباح الدین صاحب، جناب سعید الرحمٰن صاحب (خلف میزبان جناب حاجی حبیب الرحمٰن صاحب) اور دیگر حضرات شامل تھے۔ جب ہم حجرہ کی سیڑھیوں پر چڑھے تو دیر کے شرفاء کا ایک جم غفیر برآمدے میں چشم براہ پایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارے میزبان صاحبان جناب حاجی طوطی الرحمٰن اور حاجی حبیب الرحمٰن صاحب نے ان حضرات کو امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی قدر افزائی کی خاطر کھانے پر مدعو کیا تھا۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ جناب حاجی طوطی الرحمٰن اور ان کے خاندان کے دیگر بھائی بند دیر کے اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ یہی گھرانہ خدائی کاموں میں ہمیشہ آگے رہنے والوں میں نمایاں رہتا ہے۔ چنانچہ جب ڈاکٹر صاحب کے لئے دیر کا پروگرام طے ہو رہا تھا تو جناب حاجی طوطی الرحمٰن صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی جناب حاجی حبیب الرحمٰن صاحب نے نہایت پرخلوص طریق پر معزز مہمان کے قیام کے لئے کہا تھا۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امیر محترم کی یہ عزت افزائی دعوت رجوع الی القرآن کے ناطے سے ہوئی۔ اس موقع پر حاجی صاحب موصوف کے خاندان کے نوجوان جن میں ان کے لڑکے، بھتیجے، بھانجے اور دوسرے رشتہ دار شامل تھے نہایت مستعدی کے ساتھ مہمانوں کی خاطر و تواضع کے لئے کام کرتے رہے۔ اس سے اس بات کی عکاسی ہو رہی تھی کہ یہاں پر قرآن کریم کے ناطے جہاد بالقرآن کے علمبردار کے لئے دلوں میں کس قدر جذبات تھے۔ آج یہ بات بالکل واضح طور پر جھلک رہی تھی کہ اہالیانِ دیر کے دلوں میں اللہ کی کتاب اور اس کے دین کی کتنی قدر و منزلت ہے۔ اے کاش اس جذبہ کو صحیح طور پر خدمتِ دین کے لئے استعمال کیا جاتا۔

امیر محترم حجرہ کے ہال میں دیگر مدعوئین کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ اور ضلع دیر و چترال اور آس پاس کے علاقوں کے رسم و رواج، مختلف موسمی حالات، معاشی اور معاشرتی عنوانات پر بحث مباحثہ ہو رہا تھا۔ اس مجلس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات موجود تھے۔ مہاجر اداگان صاحبان ریکان کوٹ کے گھرانوں کے بھی چند ایک معززین حاضر تھے جن میں نمایاں جناب مہاجرزادہ جان عالم صاحب اور جناب صاحبزادہ قطب عالم صاحب تھے۔ لوڈشیڈنگ کی وجہ سے بجلی چلے جانے کے پیش نظر حجرہ میں پہلے ہی سے موم بتیوں اور لالٹینوں سے متبادل انتظام کیا گیا تھا۔ نماز اور کھانے سے فراغت کے بعد کچھ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس مجلس میں معززین دیر کے علاوہ کچھ سرکاری افسر بھی مدعو تھے جن میں ای اے سی صاحب اور تحصیلدار صاحب دیر بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ اساتذہ کرام پروفیسر صاحبان اور دوسرے محکموں کے حضرات بھی تھے۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد امیر محترم آرام کرنے چلے گئے وہ دن بھر کے کافی تھکے ہوئے تھے۔

اگلی صبح یعنی ۱۷ اکتوبر بروز منگل صبح نماز اور ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد چند حضرات تشریف لائے مختلف قسم کے سوالات وجوابات پر مبنی ایک تعارفی نشست ۹ بجے سے ۱۱ بجے تک منعقد ہوئی۔ تعارفی نشست میں زیادہ حضرات نہیں آئے کیوں کہ نظر ثانی شدہ پروگرام کے سلسلے میں جو پوسٹر لگوائے گئے تھے ان میں اس نشست کا غلطی سے تذکرہ نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم محفل گرم رہی۔ جو چند حضرات حاضر ہوئے تھے ان میں جناب حاجی کبل صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ حاجی صاحب تبلیغی جماعت کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ دیر میں سپیئر پارٹس کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور تبلیغی دوروں میں کافی وقت گذارتے ہیں۔ امیر محترم کے تمام مجالس میں حاجی صاحب موصوف حاضر رہے۔ اس مجلس میں چند ایک دوسرے نوجوان بھی موجود تھے۔ جنہوں نے کافی پُرمزاح مباحثہ چھیڑا امیر محترم موقع کی مناسبت سے نہایت تبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ جوابات دے رہے تھے۔ اور ساتھ ہی نہایت حکیمانہ طریقہ سے ایک صاحب کو (جو بہت زیادہ ذمہ داری دینی کام کرنے والوں پر ڈال رہے تھے) فرمایا کہ "کیوں نہ آپ ہی خود کھڑے ہو کر دعوت الی اللہ اور اقامت دین کے لئے کام کرنے کا تہیہ کریں" اور اس کے لئے جو بنیادی ضروری تیاری ہے وہ کرلیں"۔ یقیناً وہ نوجوان اور مجلس میں دوسرے حضرات ایک سنجیدہ سوچ میں پڑ گئے۔ کیوں کہ اس ذمہ داری سے تو کوئی بھی مسلمان مبرا نہیں۔ امیر محترم نے ان کے ساتھ نہایت خوبصورتی کے ساتھ بات کی۔ ہم ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے آکر معزز مہمان کی عزت افزائی کی۔ تقریباً ۱۲ بجے ہم جناب سید علی شاہ صاحب کے دولتخانہ پر امیر محترم کی معیت میں دوپہر کے کھانے پر چلے گئے۔ انہوں نے نہایت پرخلوص دعوت کی تھی۔ اس موقع پر دیر کے بعض معززین بھی مدعو کئے تھے۔ اس دعوت میں بھی چند سرکاری اہل کار اور اساتذہ کرام موجود تھے۔ کھانے سے پہلے حاضرین مختلف قسم کے سوالات پوچھتے رہے۔ امیر محترم ہر ایک سوال کا نہایت تسلی بخش جواب دے رہے تھے

پروگرام کے مطابق بعد از نماز ظہر جامع مسجد دیر بازار میں امیر محترم نے خطاب کرنا تھا۔ اپنے میزبان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد ہم مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ نماز کے بعد خطاب شروع کرتے ہوئے امیر محترم نے سورۂ صف کی آیات اور چار احادیث نبوی کی روشنی میں اقامت دین کے موضوع پر پونے دو گھنٹہ ایک ایمان افروز خطاب فرمایا۔ مجمع کافی بڑا تھا۔ اور خوشی کی بات یہ تھی کہ تعلیمافتہ حضرات پوری تعداد میں خوب دلجمعی کے ساتھ حاضر تھے۔ ان میں علماء کرام، پروفیسر صاحبان، اساتذہ کرام، سرکاری اہل کار، طالب علم اور عام لکھے پڑھے حضرات شامل تھے۔ تقریر نہایت انہماک اور توجہ سے سنی گئی اس دوران کئی ایک حضرات کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ غالباً دیر کی تاریخ میں پہلی دفعہ قرآن حکیم کے اصل تقاضوں کو اُجاگر کیا جا رہا تھا۔ امیر محترم نے قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی رُو سے امت مسلمہ کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہوئے اسلامی انقلاب کے لئے محمدی طریقہ کار پر سیر حاصل بحث کی۔ انہوں نے فرمایا کہ نام کی مسلمانی اور نام کا اسلام کچھ بھی کام کے نہ ہوں گے۔ بلکہ اگر ہم حقیقتاً اس دنیا میں امن اور آخرت میں نجات چاہتے ہیں تو اس کے لئے اللہ کا نظام، اس کے محبوبؐ کے انقلابی طریقہ سے پہلے خود اپنے اوپر اور پھر دنیا پر نافذ کرنے کے لئے جد وجہد کرنی ہوگی۔ تاکہ عبادت رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کے تقاضے پورے ہو جائیں۔ انہوں نے واضح الفاظ میں قرآن اور سیرت نبوی کی روشنی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلامی نظام حیات کے نفاذ کا صحیح راستہ صرف اور صرف طریقۂ محمدی ہی ہے۔ باقی تمام طریقوں سے اسلامی

انقلاب برپا کرنا یا اس کے لئے کوشش کرنا دیوانے کے خواب سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ امیر محترم نے اپنے خطاب کے دوران حاضرین پر زور دیا کہ دینی تحریکوں اور دین کے لئے کام کرنے والوں کے دوران باہم ضد اضدی " بَغْيًا بَيْنَهُمْ " اور تفرقہ ہلاکت کا باعث ہوگا۔ انہوں نے نہایت زوردار الفاظ میں خبردار کیا کہ دین کے لئے کام کرنے والے خواہ کسی بھی تحریک سے وابستہ ہوں انہیں ایک دوسرے کے لئے پشت پناہ اور ممد و معاون ہونا ضروری ہے نہ کہ ایک دوسرے کو کمزور کرنا۔ انہوں نے واضح طور سے فرمایا کہ ایسی صورت حال میں فائدہ صرف باطل اور باطل نظریات کے حامل گروہوں کو پہنچے گا جس کے لئے اللہ کے ہاں سخت بازپرس ہوگی۔ انہوں نے اس حدیث شریف کی طرف بھی توجہ دلائی " واللہ لا یؤمن ۔ واللہ لا یؤمن ۔ واللہ لا یؤمن قیل من یا رسول اللہ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ " خطاب تقریباً ساڑھے تین بجے ختم ہوا۔

نمازِ عصر کے وقفہ کے دوران امیر محترم جند عمائدین دیر جناب حاجی صاحب خیر محمد کے گھر تشریف لے گئے جہاں حاجی صاحب موصوف نے چائے کی دعوت دی تھی۔ حاجی صاحب خیر محمد کی مہمان نوازی تو معروف و مشہور ہے ہی مگر انہوں نے امیر محترم کی عزت افزائی جس طریقہ سے کی یہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں پھر وہی حقیقت جھلکتی رہی کہ فرزندانِ دیر دین اور اسلام کی خدمت کرنے والوں کی کتنی عزت افزائی اور قدر کرتے ہیں۔ جیسا کہ دعوت رجوع الی القرآن کے علمبردار جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی پذیرائی واضح تھی۔ کاش دیر میں ایسے درد رکھنے والے مسلمان اٹھیں کہ ان عوام کو تفرقہ اور باہم ضد اضدی سے بچا کر اللہ کے دین کے لئے صحیح راہ پر صحیح طریقہ سے کام کرنے کی رہنمائی کریں۔ چائے کے دوران حاجی صاحب کے لڑکے نواسے اور دیگر نوجوان مہمانوں کی خدمت کے لئے نہایت ذوق کے ساتھ کمربستہ کھڑے تھے۔ عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ حاجی صاحب سے رخصت ہو کر مسجد پہنچے۔ نماز کے بعد سوال و جواب کی نشست شروع ہوگئی۔ لوگوں نے کافی اچھے اچھے سوالات پوچھے۔ امیر محترم نے نہایت تسلی بخش جوابات دیئے۔ اور مکمل دلائل کے ساتھ ہر بات کی وضاحت فرماتے رہے۔ جن چیدہ چیدہ حضرات سے سوالات متوقع تھے انہوں نے سوالات نہیں پوچھے سوائے ایک دو سوالوں کے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے اس تقریر کو ایسے بھرپور طریقے سے دل کے کانوں سے سنا اور سمجھا کہ کوئی سوال بھی ان کے لئے حل طلب رہا ہی نہیں اور سنجیدہ لوگ سوال برائے سوال تو کرتے نہیں۔ تاہم جن حضرات نے سوالات پوچھے وہ یقیناً یہاں کے لوگوں کی دانشمندی، دینی اور ملی معاملات، سیاسیات، معاشیات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ان کی ذہانت پر دلالت کر رہے تھے۔ سوال و جواب کی یہ نشست نماز مغرب تک جاری مغرب کی نماز اسی مسجد میں پڑھ کر ہم امیر محترم کی معیت میں جناب حاجی محمد یار صاحب کے دولت خانہ پر چلے گئے جہاں شام کے کھانے کی دعوت تھی۔

حاجی صاحب محمد یار ہمارے میزبان جناب حاجی طوطی الرحمٰن کے چچازاد ہیں۔ وہ راقم کے نزدیک ترین دوست ہیں اور جیسا کہ ان کے خاندان کی یہ امتیازی شان ہے کہ دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں حاجی صاحب موصوف بھی اسی جذبہ سے سرشار ہیں۔ حاجی صاحب پچھلی شام گردہ کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے امیر محترم کے استقبال کے لئے نہ آسکے تاہم نقاہت اور تکلیف کے باوجود دن کے درس میں

شامل رہے۔ کھانا کھانے کے بعد امیر محترم کی تھکان کے پیش نظر محفل جلدی برخاست ہوئی۔ اور وہ عشاء کی نماز کے فوراً بعد لیٹ گئے۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ درس کے بعد مسجد میں مکتبہ پر کافی بھیڑ رہی اور توقع سے زیادہ کتابیں اور مکمل سیٹ فروخت ہوئے۔

۱۷ اکتوبر بروز بدھ سوا آٹھ بجے دیر سے روانہ ہوکر دس بجے تمرگرہ پہنچ گئے۔ ۱۱ بجے ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن نے خطاب کرنا تھا۔ بار کے صدر جناب پیر احمد شاہ صاحب اور سیکرٹری جناب شیر شاہ صاحب نے مہمانِ محترم کا بار کے دروازے پر استقبال کیا۔ تقریر کا موضوع تھا "پاکستان کا استحکام اور بقاء" امیر محترم نے علمی پیرایہ میں تجزیہ کرتے ہوئے تشریحاً فرمایا کہ اس ملک کی بقا اور استحکام صرف اور صرف اسلامی نظامِ حیات کے صحیح معنوں میں زندگی کے تمام شعبوں پر نفاذ سے متعلق ہے۔ انہوں نے تنبیہ کی کہ ہمارے اعمال اور غفلت نے ربع صدی میں ہمیں دو لخت کر دیا۔ البتہ رب العزت نے ہمیں بقیہ پاکستان کو سالم رکھنے کی مزید مہلت دے رکھی ہے۔ البتہ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم کہاں تک اپنا وعدہ نباہ رہے ہیں اور یہ کہ گذشتہ تازیانے سے ہم کچھ سبق سیکھ کر سیدھے راہ پر آتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے یاد دلایا کہ ہو سکتا ہے دوسری قومیں لسانی جغرافیائی قومی اور معاشرتی اور معاشی بنیادوں پر مستحکم اور باقی رہ سکیں لیکن پاکستان کی حد تک یہ چیزیں بالکل کارآمد نہیں کیونکہ پاکستان بنا ہی اس Commitment پر تھا کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے پیغمبر کے بتائے ہوئے نظام کی حکومت ہوگی۔ اس طرح نظامِ اسلامی کے بغیر یہاں رہنا اللہ تعالیٰ سے دھوکہ اور دروغ گوئی کے مترادف ہوگا۔ انہوں نے واضح طور پر بتایا کہ اگر ہم مزید غفلت اور چشم پوشی کے مرتکب ہوئے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ کے غضب کے اور کوڑے ہماری پیٹھوں پر پڑیں۔ انہوں نے وکلاء حضرات کو ان کی ذمہ داری یاد دلائی کہ ہمیں صحیح معنوں میں اپنی نظریاتی سرحدات کے تحفظ کی آج سخت ضرورت ہے اور یہ کام جب ہی ممکن ہے جب ہم خود اچھے مسلمان بنیں اور صحیح اسلامی نظامِ حیات کو اپنے اوپر نافذ کریں۔ دو گھنٹہ کی تقریر اور سوال و جواب کے بعد یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ تمرگرہ میں محترم بھائی شفیق الرحمٰن کے حجرہ پر دوپہر کے کھانے کی دعوت تھی۔ نماز ظہر ادھر ہی پڑھی شفیق الرحمٰن صاحب کے دوسرے بھائی جناب شفیق الدین اور بڑے بھائی عنایت الرحمٰن صاحب بھی موجود تھے۔ کھانے پر چند معززین کو بھی جناب ڈاکٹر صاحب کی عزت افزائی کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ یہاں پر امیر محترم اور ان کے ساتھیوں کی نہایت ہی عزت افزائی کی گئی۔ اور اہل دیر کی روایتی مہمان نوازی کی ایک جھلک دوبارہ یہاں دیکھنے میں آئی۔

یہاں سے رخصت ہو کر ہم عصر سے ایک گھنٹہ پہلے باجوڑ کے صدر مقام خار پہنچ گئے۔ جہاں سے سول کالونی خار اور شہر کے دیگر معززین کی طرف سے کافی عرصہ سے محترم ڈاکٹر صاحب کے درسِ قرآن کی دعوتیں آرہی تھیں۔ تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد نماز عصر کے لئے مسجد روانہ ہوگئے۔ لوگ پہلے ہی سے انتظار میں تھے۔ جونہی انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مسجد کی طرف آتے دیکھا وہ والہانہ ان کے خوش آمدید کے لئے باہر آگئے۔ ہر ایک جناب امیر محترم سے بغلگیر ہو رہا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد راقم کی رہائش گاہ پر لوگ امیر محترم کو خوش آمدید کہنے کے لئے حاضر ہو رہے تھے۔ مغرب ہوتے ہی مسجد روانہ ہوگئے اور پروگرام کے مطابق بعد از نماز

مغرب درسِ قرآن شروع ہوا۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے سورۂ حج کے آخری رکوع کی آخری دو آیات کی روشنی میں عبادتِ رب اور شہادتِ حق کے موضوع پر سیر حاصل تقریر کی اور مقام اصطفائیت اور اجتبائیت کی تشریح فرماتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم مصطفیٰ اور آپ کی امت مجتبیٰ ہے۔ لہٰذا حضورؐ کی اس امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پہچانے۔ مزید تشریح کرتے ہوئے امیرِ محترم نے اس شہادت کا ذکر کیا جو نبی اکرمؐ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو اور پھر اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے لی تھی کہ شہادتِ حق اور اقامتِ دین کی ذمہ داری امت کے کندھوں پر ڈال دی گئی۔ امیرِ محترم کے تقریر سننے کے لئے کافی تعداد میں سرکاری اہل کار، علماء کرام، اساتذہ کرام، پروفیسر صاحبان، طالب علم اور دوسرے شائقین قرآن حاضر تھے۔ مجمع پورے انہماک کے ساتھ اس ناقابل فراموش درسِ قرآن کو سن رہا تھا۔ درس کے اختتام پر نمازِ عشاء ادا کی گئی۔ اس سے پہلے دعا بھی کرائی گئی ——————

اگلی صبح یعنی ۱۸ اکتوبر بروز جمعرات نمازِ فجر سے پہلے پہلے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر مسجد چلے گئے۔ نمازِ فجر امیرِ محترم نے پڑھائی اور مسجد ہی سے دعوت رجوع الی القرآن کے علمبردار اپنے رفقاء کے ہمراہ سنخاکوٹ کے لئے روانہ ہو گئے۔ سنخاکوٹ مالاکنڈ ایجنسی میں ایک گاؤں ہے۔ جہاں شیخ الہند جناب محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رفیق اسیر مالٹا جناب عزیز گل صاحب ابھی تک بقیدِ حیات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا دیرینہ شوق تھا کہ ان کے ساتھ ملاقات ہو سکے۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ سنخاکوٹ پھر سوات کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں ظہرانے بعد خواتین کے اجتماع سے خطاب کرنے کے بعد بذریعہ ہوائی جہاز لاہور روانہ ہونا تھا۔

جمعرات ۱۸ ستمبر کو محترم ڈاکٹر صاحب دیر کے دورہ سے تقریباً ۱۲ بجے دوپہر واپس منگورہ تشریف لے آئے جہاں نماز اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈھائی بجے جناب عبدالباری صاحب کے مکان ہی پر خواتین کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ ہائی اسکولوں اور منگورہ کے گرلز کالج کی پچاس سے زائد معلمات نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے "اسلام میں عورت کا مقام اور پردہ کا شرعی تصور" کے موضوع پر ایک گھنٹہ سے زائد وقت تک خطاب فرمایا اور بعد میں خواتین کی طرف سے کئے گئے سوالات کی وضاحت فرمائی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس خطاب کا اہتمام اس طرح سے کیا گیا تھا کہ ایک کمرے میں محترم ڈاکٹر صاحب مرد حضرات کے سامنے خطاب فرما رہے تھے جبکہ خواتین گھر کے زنانہ حصہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جہاں انہوں نے لاؤڈ سپیکر پر ڈاکٹر صاحب کا خطاب سنا۔ اس پروگرام سے فارغ ہوتے ہی لاہور واپسی کے لئے سیدو شریف ایئرپورٹ تشریف لے گئے۔ جہاز اپنے مقررہ وقت چار بج کر پینتالیس منٹ پر سوات کی اس خوبصورت وادی سے اسلام آباد کے لئے روانہ ہوا۔ اہالیانِ منگورہ نے ایئرپورٹ پر بڑے اہتمام سے رخصت کیا۔

ڈاکٹر صاحب محترم پہلی مرتبہ دین کی انقلابی دعوت پیش کرنے کے لئے اس وادی میں تشریف لائے تھے۔ آپ نے فرائض دینی کا جو جامع تصور اور ان فرائض کی ادائیگی کے لئے جو لائحہ عمل نیز پاکستان میں نفاذِ اسلام

کے لئے جو جامع پروگرام اپنے چند خطابات کی صورت میں اہالیانِ منگورہ کے سامنے پیش کیا۔ اس نے لوگوں کے دلوں میں کام کرنے کا ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کر دیا ہے۔ اسلام پسند سیاسی جماعتوں سے مایوس لوگوں نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے خیالات کو اپنے دل کی آواز محسوس کیا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اس دورہ کے دوران فرائض دینی کے صحیح تصور اور پاکستان میں نفاذ اسلام کے واحد درست طریقہ کار کے سلسلے میں جن خیالات کے بیج بکھیرے ہیں۔ توقع ہے کہ اہالیانِ منگورہ اپنے قلوب و اذہان میں ان بیجوں کی آبیاری کرتے رہیں گے اور ان شاء اللہ العزیز بھرپور بیج جذبۂ جہاد کی شکل میں تناور درختوں کی صورت اختیار کریں گے۔ (مرتبہ: محمد فہیم)

امیرِ تنظیم کا دورۂ سکھر اور وہاں تنظیم اسلامی کا قیام

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے جب اواخر ۱۹۸۸ء میں دعوت رجوع الی القرآن کے لئے کراچی میں درسِ قرآن حکیم اور خطابات کے لئے ہر ماہ دورے کا سلسلہ شروع کیا تھا تو ان دوروں کے درمیان سکھر کی قسمت بھی جاگ اٹھی تھی اور ۱۹۸۹ء میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی متعدد بار سکھر میں تشریف آوری ہوئی اور یہاں دروسِ قرآن اور خطابات کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن جب لاہور اور کراچی و سکھر کے علاوہ بحمداللہ دوسرے شہروں تک دعوت رجوع الی القرآن متعارف ہوئی اور اس کا غلغلہ بلند ہوا تو کراچی کے دعوتی دورے بھی متاثر ہوئے اور سکھر کے بھی۔ پھر رفتہ رفتہ سکھر تشریف آوری کم ہوتی چلی گئی۔ چونکہ یہاں اس کام کے لئے مردانِ کار نہیں مل سکے۔ خاص شہر سکھر میں بھائی نجیب صدیقی کے علاوہ محترم عبداللطیف مرحوم اور سرتاج الدین سولیجہ مرحوم اس کام میں پیش پیش تھے۔ جب آخر الذکر دونوں رفیق قضائے الٰہی سے اس دنیا سے انتقال کر گئے اور بھائی نجیب صدیقی اکیلے رہ گئے تو عرصہ چار پانچ سال تک محترم ڈاکٹر صاحب کا سکھر میں ورود مسعود قطعی طور پر معطل ہو گیا۔ یہاں ہمارے ایک قدیمی رفیق بھائی محمد دین صاحب بھی موجود ہیں لیکن ان کا قیام حدودِ شہر سکھر سے باہر ہے۔ بھائی نجیب صدیقی صاحب کا تقاضا اور اصرار تھا کہ امیرِ محترم کا ایک دورہ اس سال ضرور رکھا جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پُرامید تھے کہ یہ دورہ اس اعتبار سے انشاء اللہ کامیاب رہے گا کہ اس کے نتیجے میں تنظیم اسلامی کے لئے ضرور چند رفقاء میسر آجائیں گے۔

بھائی نجیب کی دعوت اور اصرار کے پیشِ نظر امیرِ محترم نے ۲۹ اکتوبر ۸۹ء کو شام الہدیٰ سے فراغت کے بعد ۳۱ اکتوبر اور یکم نومبر کے دن سکھر کے لئے مختص کر دیئے تھے۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق امیرِ محترم ۳۱ اکتوبر کی صبح سکھر پہنچے۔ کراچی سے ۳۰ اکتوبر کی شب کو روانہ ہو کر چند رفقاء بھی ۳۱ اکتوبر کی صبح سکھر پہنچ گئے تھے۔ سکھر میں محمد بن قاسم پارک کی مسجد میں جو مکی مسجد کے نام سے پورے شہر میں معروف ہے "ہمارے دینی فرائض اور ذمہ داریاں" کے موضوع پر نمازِ عشاء کے بعد ایک خطابِ عام کا انتظام کیا گیا تھا جس کے لئے مقامی طور پر پوسٹر، ہینڈ بل اور انفرادی طاقاتوں کے ذریعے سے مناسب پبلسٹی کا انتظام کیا گیا تھا۔ الحمدللہ یہ اجتماع کامیاب رہا اور امیرِ محترم نے پورے شرح و بسط کے ساتھ قرآن حکیم اور سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالوں سے نہایت مدلل و مؤثر انداز میں مسلمانوں کے دینی فرائض اور ذمہ داریوں پر خطاب ارشاد فرمایا جس میں بتایا گیا کہ عبادات

مفروضہ تو ارکانِ اسلام ہیں اور ایمانِ حقیقی کے رکنِ رکین ہر نوع کی تشکیک اور خلجان سے مبرا قلبی ایمان والیقان اور اللہ کی راہ میں مال وجان سے جہاد ہے۔ امیرِ محترم کو اللہ تعالیٰ نے جو قدرتِ خطاب، طرزِ استدلال اور پُرتاثیر اسلوبِ بیان عطا فرمایا ہے، اسی کا یہ مظہر تھا کہ شرکاء نے پونے دو گھنٹے پر محیط خطاب کو از اوّل تا آخر پورے ضبط وسکون کے ساتھ سماعت فرمایا۔ اس اجتماع میں قریباً ہر مکتبِ فکر کے ممتاز حضرات شریک تھے۔ جن میں کالعدم جماعتِ اسلامی کے علاوہ دوسرے سیاسی وسماجی اداروں کے بھی چند حضرات شامل تھے۔

دوسرے دن یکم نومبر کی صبح کو اسی مسجد سے ملحق دارالقرآن میں سوال وجواب کی نشست رکھی گئی تھی۔ جس میں قریباً پندرہ بیس حضرات نے شرکت فرمائی۔ مختلف انواع کے سوالات کئے گئے جن کے امیرِ محترم نے شافی جوابات دیئے۔

سوال وجواب کی نشست کے بعد سکھر میں بحمداللہ چار حضرات نے رفاقت نامہ پر بیعت کر امیرِ محترم کے ہاتھ پر سمع و طاعت اور ہجرت وجہاد کی بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ ان رفقاء کو استقامت عطا فرمائے اور انہیں دینِ حق کا سچا خادم بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ چاروں رفقاء جوان ہیں اور ان میں سے تین اعلیٰ تعلیمیافتہ ہیں۔ ان چار حضرات کی شمولیت کے باعث سکھر میں رفقائے تنظیم کی تعداد چھ ہوگئی۔ لہٰذا امیرِ محترم نے سکھر کے رفقاء پر مشتمل باقاعدہ تنظیمِ اسلامی سکھر کی تشکیل فرماتے ہوئے بھائی نجیب صدیقی صاحب کو اس کا امیر مقرر فرمایا۔۔۔۔ دعا ہے کہ یہ تنظیم اپنے دینی فرائض میں ہمہ تن مصروف رہے اور جلد ہی اس میں توسیع واستحکام پیدا ہو۔۔۔۔

امیرِ محترم کے سکھر کے دو روزہ قیام کے دوران سکھر کی چند ممتاز علمی وسیاسی شخصیات سے ملاقاتیں اور تبادلۂ خیال ہوا۔ جو بہت مفید رہا۔ یکم نومبر کو امیرِ محترم کی کراچی ایکسپریس سے لاہور مراجعت ہوئی۔ اس طرح یہ دورہ بحمداللہ کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ (ترتیب، ج۔ر)

بقیہ: عرضِ احوال

۲۸ ستمبر کے جمعہ سے اپنی دعوتی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ جس کا اجمالی نقشہ "رفتارِ کار" کے عنوان کے تحت قارئینِ کرام کی نظر سے گزرے گا۔ ۱۲ نومبر کو تین روزہ دورے پر امیرِ محترم کوئٹہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں ان کی کمر کے درد کا پھر حملہ ہوگیا۔ تادمِ تحریر کمر کے درد میں کوئی تسلی بخش افاقہ نہیں ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خادمِ قرآن حکیم وخادمِ دینِ مبین کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ قارئینِ کرام سے ان کی صحت کے لیے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کی استدعا ہے۔

تصانیف : ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

۱	اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ، کرنے کا اصل کام		۱/۵۰
۲	مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق	ادنیٰ / اعلیٰ	۳/- / ۴/-
۳	راہِ نجات ، سورۃ والعصر کی روشنی میں	مفصّل / مختصر	۳/- / ۲/-
۴	دعوت الی اللہ		۱/۵۰
۵	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت	ادنیٰ / اعلیٰ	۳/- / ۴/-
۶	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	ادنیٰ / اعلیٰ	۲/- / ۳/-
۷	قرآن اور امنِ عالم		۱/۵۰
۸	علامہ اقبال اور ہم		۲/-
۹	عظمتِ صوم		۴/
۱۰	قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ		۱۰/-
۱۱	مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب		۱۴/-
۱۲	عیدالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی		۳/-
۱۳	سرافگندیم		۷/-
۱۴	مطالباتِ دین		۸/-
۱۵	تحریکِ جماعت اسلامی	ادنیٰ / اعلیٰ	۱۰ / ۲۰
۱۶	شہیدِ مظلوم	ادنیٰ / اعلیٰ	۳/ / ۴/
۱۷	اسلام اور پاکستان		۵/-
۱۸	تنظیمِ اسلامی کی دعوت		۴/-
۱۹	سانحہ کربلا		۳/-
۲۰	رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم		۶/-
۲۱	مسلمانوں کے فرائضِ دینی اور اسوۂ رسولؐ		۶/-
۲۲	معراج النبیؐ		۳/-
۲۳	اسلام میں عورت کا مقام		۱۰/-

عربی ترجمہ :

۱	ماذا یجب علی المسلمین تجاہ القرآن ؟	۵/-

فارسی ترجمہ :

۳		
۴	دین قسمہ آن گردن مسلمان	زیرِ طبع

انگریزی تراجم :

۳	The Obligations Muslims owe to the Quran.	۵/-
	The way to Salvation—in the light of Surah Al-'Asr.	۵/-
۵	Islamic Renaissance—The Real Task Ahead.	۴/-
۶	The Quran & World Peace.	۴/-
۷	Rise & Decline of Muslim Ummah.	۵/-

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731

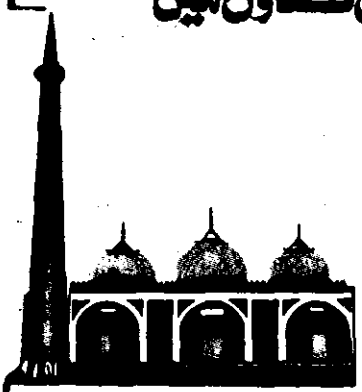

پاکستان کی کھلی فضاؤں میں
پاکستان کی
کھلی فضاؤں میں
اذانوں کی گونج
ہماری نوحانی میراث
کی آئینہ دار ہے
اور
مشینوں کے چلتے ہوئے پہیوں کا شور
ہماری صنعتی ترقی کا مظہر ہے
ملکی صنعت قوم کی خدمت ہے اور قومی خدمت ایک عبادت ہے
سروس اپنے شوز کی ایکسپورٹ سے زرمبادلہ کما کر دن رات
وطنِ عزیز
کی خدمت میں سرگرمِ عمل ہے
سروس شوز۔ دُنیا کے گوشے گوشے میں مقبول
Servis

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا ممتاز ادارہ

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رین بو انٹرنیشنل

فون: ۳۰۳۳۵۵ / ۳۰۳۳۷۷

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ٭ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ٭ کاٹن گارمنٹس ٭ احرام تولیہ ٭ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ٭ لکڑی کا فرنیچر۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ٭ سٹکر فلم ٭ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ٭ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفاتر

۱ فلور غلام رسول بلڈنگ ۶۱ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور
ذیلی دفاتر:- کراچی - فیصل آباد

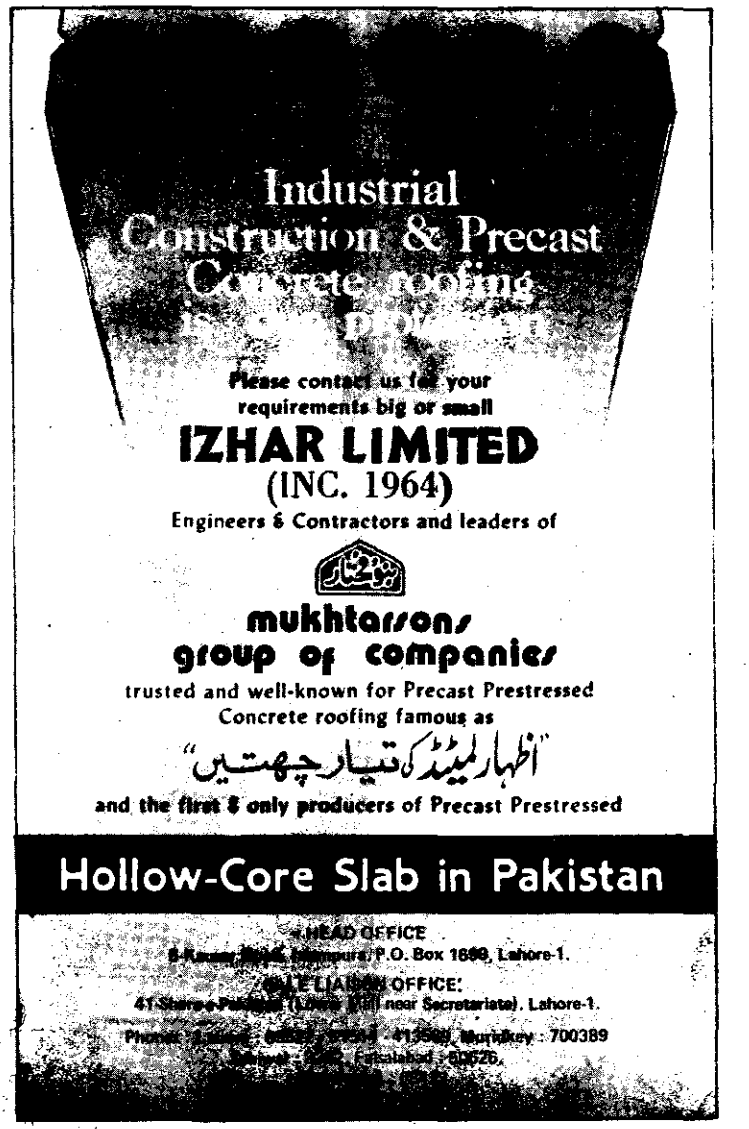

Industrial
Construction & Precast
Please contact us
requirements big or small
IZHAR LIMITED
(INC. 1964)
Engineers & Contractors and leaders of
mukhtarsons
group of companies
trusted and well-known for Precast Prestressed
Concrete roofing famous as
"اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں"
and the first & only producers of Precast Prestressed
Hollow-Core Slab in Pakistan
OFFICE
P.O. Box 1689, Lahore-1.
OFFICE:
near Secretariate). Lahore-1.
700389

عَن انس رضؓ عَن النبّی صَلّی اللہ علیہ وسلّم

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ

حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ

(رواہ البخاری)

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس لاہور

ٹمپل روڈ — سوہا بازار

۳۱۱۴۰ — ۳۰۴۳۳۳   ۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر: اے وحید

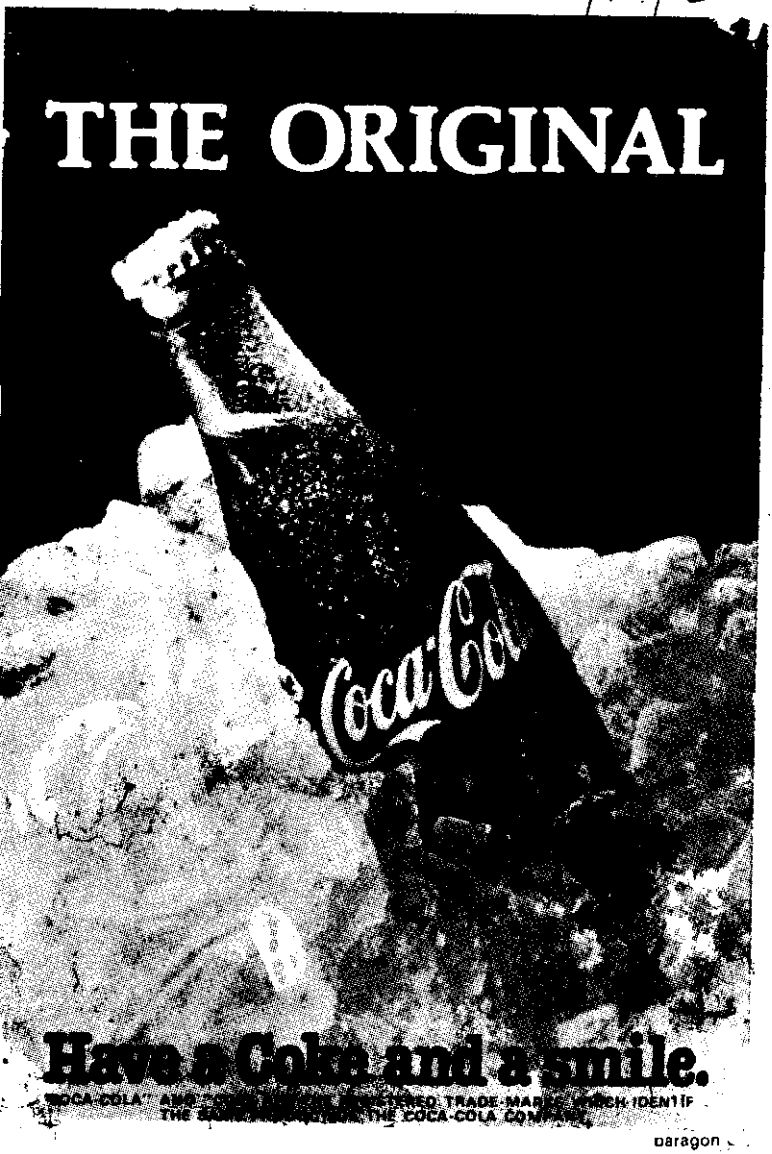

لائبریری
6/16/36

paragon

بسم الله الرحمن الرحیم

سانیو
SANYO

AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS

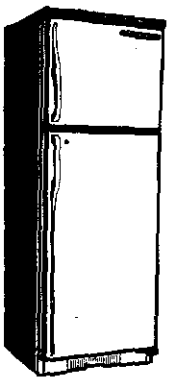

NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

- Two door with built-in lock.
- Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature.
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.

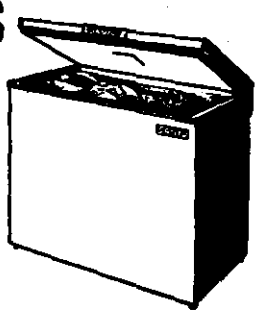

CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility with higher efficiency

Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.

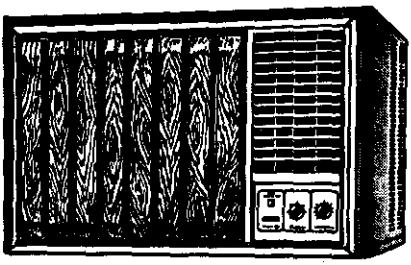

Available at all SANYO Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 5 year Guarantee Certificate in order to *avail free after* Sales Service.

SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)
GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PABX) 525151-55 (5 Lines)
CABLE: "WORLDBEST" TELEX: 25109 WWTCO PK

786/WW-109/83

قارئین "ماہنامہ میثاق" اور "ماہنامہ حکمتِ قرآن" متوجہ ہوں!

تحریکِ تجدیدِ ایمان ۔ توبہ ۔ تجدیدِ عہد اور دعوت رجوع الی القرآن کے یہ دونوں نقیب و ترجمان پاکستان میں حسب ذیل پتوں سے مل سکتے ہیں۔ نیز جدید سالانہ خریداری کے اجراء یا قدیم، سالانہ خریداری کی تجدید کے لئے سالانہ زرِ تعاون بھی ان مقامات پر جمع کرایا جاسکتا ہے ۔

کراچی: دفتر تنظیم اسلامی کمرہ ۱۱، داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت ۔

شائننگ ٹریڈرز، رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ شاہراہ لیاقت فون ۲۱۴۷۰۹ ۔

نوٹ: ان دونوں مقامات سے محترم ڈاکٹر صاحب کے دروس و خطاب کے کیسٹ بھی مل سکتے ہیں۔

پشاور: دفتر تنظیم اسلامی نشاط بلڈنگ پل پختہ نزد چوک یادگار پشاور ۔

ملتان: عبدالغنی صاحب، ملتان پولٹری کارنر، بالمقابل فاطمہ جناح ہسپتال ملتان ۔ فون ۷۵۸۹۱ ۔

کوئٹہ: دفتر تنظیم اسلامی جناح روڈ کوئٹہ اور قاری افتخار احمد صاحب خطیب مسجد طوبیٰ مسجد روڈ کوئٹہ فون نمبر ۷۷۲۶۵ ۔

راولپنڈی: فیری لینڈ اسکول ا۔ بی۔ ۱۴ راولپنڈی سٹلائٹ ٹاؤن فون ۴۳۷۳۶ ۔

گوجرانوالہ: جناب پاشا ہاردن بری، بی۔ ۵۸۱ ۔ سٹلائٹ ٹاؤن ۔

سیالکوٹ: (ریٹائرڈ کمانڈر) محمد طفیل صاحب مکان نمبر ۲۲۸ عزیز بھٹی روڈ سیالکوٹ کینٹ ۔

دہاڑی: راؤ محمد جمیل سینٹری انسپکٹر میونسپل کمیٹی دہاڑی ۔

ایبٹ آباد: خالد وحید صاحب سی۔ ۴۷۹ اسول لائنز ۔ فون نمبر ۲۳۰۲، ۴۴۲۹ ۔

فیصل آباد: دفتر تنظیم اسلامی بالمقابل گورنمنٹ رحمانیہ ہائی سکول دمکان حاجی عبدالواحد قیم تنظیم پیپلز کالونی فون نمبر ۴۳۴۰۹ ۔

سوات: فلک سیر کارپوریشن ۔ جی ٹی روڈ، منگورہ ۔

اسلام آباد: بسم اللہ خاں صاحب بی / ۲۷۸ / II / G 6 ۔

حویلی لکھا: محمد امین صاحب نزد مرکزی جامع مسجد مین بازار ۔

"میثاق اور حکمتِ قرآن" ہر دو کا علیحدہ علیحدہ سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک -/۳۰ روپے ہے جب کہ دوسرے ممالک کے لئے زرِ تعاون حسبِ ذیل ہے:

- کینیڈا -/۱۵۰ روپے یا ۱۵ کینیڈین ڈالر ۔
- امریکہ، افریقہ، مغربی جرمنی، نائیجیریا -/۱۵۰ روپے یا ۱۲ امریکن ڈالر ۔
- انگلینڈ، ناروے، متحدہ عرب امارات -/۱۰۰ روپے یا ۱۰ امریکن ڈالر ۔
- سعودی عرب، ابوظہبی، مصر، ایران -/۶۰ روپے یا ۶ امریکن ڈالر ۔
- انڈیا -/۵۰ روپے یا ۵ امریکن ڈالر ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ

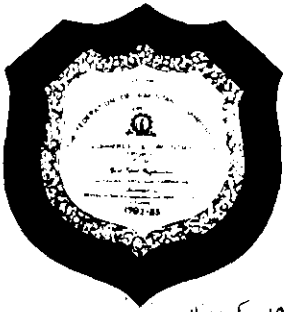

ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۱۹۸۲-۸۳ء کے دوران
جس ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے۔ ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمدکنندگان ہونے کا بجاطور پر شرف حاصل ہے۔

SNDS

حاجی شیخ نور الدّین اینڈ سنز لمیٹڈ

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز ۸۵۔ شاہراہ قائد اعظم، لاہور (پاکستان)

فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ ٹیلکس: 44543 NOOR PK

ایکسپورٹ آفس: ۶۱۶-۶۱۴۰ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی (پاکستان)

فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۱۰، تار: 'TARPAULIN' ٹیلکس: 25480 NOOR PK

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 33	DECEMBER 1984	No. 12

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچاکر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

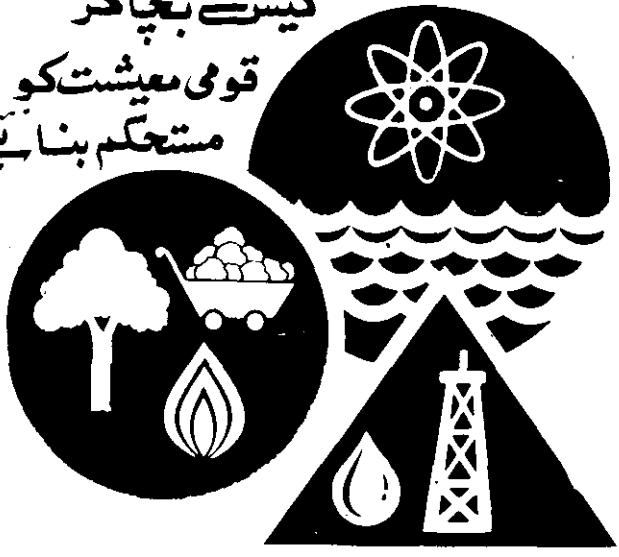

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کرکے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے۔۔
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SNGPL 4/80

paragon